www.urducouncil.nic.in

اگست 2020، قیمت :- ₹10

ماہنامہ

بچوں کی دنیا

نئی دہلی

Monthly BACHON KI DUNIYA, New Delhi

قومی اردو کونسل کی فخریہ پیش کش

ماہنامہ اردو دنیا

Monthly URDU DUNIYA, New Delhi

تمام تر رنگین صفحات اور دیدہ زیب تصاویر سے مزین ماہانہ عالمی جریدہ جسے آپ پوری دنیا میں اردو زبان کے کسی بھی ماہنامے سے بہتر پائیں گے۔ اردو کو آج کی دنیا سے جوڑنے والا اور عام اردو قاری و ادبی حلقوں کی دلچسپی کے ساتھ طلبا و اساتذہ کی ضرورتوں کا بھی خیال رکھنے والا اردو کا ماہنامہ

ہر شمارے میں پڑھیے، اردو کے ادبی شاہکاروں کے علاوہ، علمی مضامین، ادبی انٹرویو، تاریخ، سائنس، صحافت، نئی کتابوں پر تبصرے، قومی اردو کونسل کی سرگرمیوں، سمیناروں اور فروغ اردو سے متعلق نئی کاوشوں کا احوال اور بہت کچھ!

فی شمارہ: 15 روپے، سالانہ: 150 روپے

اردو زبان میں علم و آگہی کا معتبر ادبی جریدہ

سہ ماہی فکر و تحقیق

قومی اردو کونسل کی منفرد پیش کش

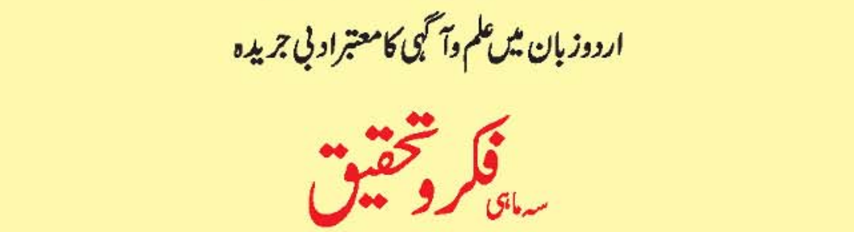

اردو زبان و ادب سے متعلق اہم تنقیدی و تحقیقی موضوعات پر فکر انگیز اور تلاش و جستجو کو صحیح سمت دینے والے مواد کے ساتھ ہر تین ماہ بعد منظر عام پر آنے والا نہایت سنجیدہ علمی مجلّہ خود بھی پڑھیں اور دوسروں کو بھی پڑھنے کا مشورہ دیں!

ہندستانی خریداروں کے لیے سالانہ قیمت: 100 روپے، فی شمارہ: 25 روپے

(قومی اردو کونسل کی ویب سائٹ، http://www.urducouncil.nic.in پر بھی دستیاب)

آج ہی اپنے نزدیکی بک اسٹال سے طلب کیجیے یا ہمیں لکھیے

شعبۂ فروخت: قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، ویسٹ بلاک 8، ونگ 7، آر کے پورم، نئی دہلی 110066، فون: 26109746، فیکس: 26108159

E-mail.:ncpulsaleunit@gmail.com, sales@ncpul.in

بچوں کی دنیا

جلد: 8 شمارہ: 08 اگست 2020

مدیر : ڈاکٹر شیخ عقیل احمد

مدیر منتظم : اجمل سعید

ناشر اور طابع

ڈائرکٹر، قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان
وزارت ترقی انسانی وسائل ۔ محکمہ اعلیٰ تعلیم، حکومتِ ہند
فروغ اردو بھون، ایف سی 33/9، انسٹی ٹیوشنل ایریا،
جسولہ، نئی دہلی -110025
فون:49539000
شعبہ ادارت:49539009-11
ای میل
bachonkiduniya@ncpul.in
editor@ncpul.in
ویب سائٹ
http://www.urducouncil.nic.in

قیمت: /10 روپے، سالانہ /100 روپے

▪ اس شمارے کے قلم کاروں کی آرا سے قومی اردو کونسل اور اس کے مدیر کا متفق ہونا ضروری نہیں

Total Pages: 64

'بچوں کی دنیا' کی خریداری کے لیے چیک، ڈرافٹ یا منی آرڈر
بنام NCPUL، شعبہ فروخت کے پتہ پر بھیجیں اور وضاحت طلب امور کے لیے وہیں رابطہ فرمائیں۔

شعبہ فروخت

ویسٹ بلاک 8، ونگ 7، آر کے پورم
نئی دہلی -110066
فون:26109746
ای میل:sales@ncpul.in
ncpulsaleunit@gmail.com

علاقائی مرکز: 110-7-22، تھرڈ فلور، ساجد یار جنگ کمپلکس
بلاک نمبر 5-1، پتھر گٹی، حیدرآباد -500002
فون: 040-24415194

اس شمارے میں

آپس کی باتیں		04
ڈاک خانہ		05
مضامین		
2020 کا پہلا سورج گرہن....	محمد خلیل	06
وایومترا کی کہانی اس کی زبانی	انیس الحسن صدیقی	08
بچوں کا بین الاقوامی فنڈ : 'یونیسیف'	عاکف سنبھلی	10
گاندھی جی کا سابرمتی آشرم	شمیم احمد	12
فوٹو گرافی کا عالمی دن 19 اگست	مولوی محمد عبادہ قاسمی	15
نظمیں		
پندرہ اگست	مناظر عاشق ہرگانوی	19
بابا گورونانک دیو	راشد جمال فاروقی	19
گندہ بچہ اور اچھا بچہ	انس مسرور	20
غبارہ	شمیم اختر	20
ترانۂ یکجہتی	جاوید مجیدی	21
پڑھ لکھ کر کچھ بننا ہے	محمد رفیع	22
میرے پاپا ہیں	حشمت رضا ساحل	22
بچوں کے ادیب		
بچوں کے پیارے شاعر : ظفر گورکھپوری	ناظر انور	23
کہانیاں		
انوکھی ترکیب	شکیل جاوید	27
کہانی ایک فنیکس کی (مراٹھی کہانی)	ویشال تائیڑے/ خواجہ معین الدین	29
سلامت رہو	منظر مظفر پوری	32
ناخن	شاہ تاج	35
سچی دوستی	فیاض احمد	38
بہادر لڑکی	مہوش فاطمہ	40
بچوں کا کتب خانہ		
بچوں کے ڈرامے	یوسف رام پوری	44
اردو کا جادو		
اردو زبان کا جادو	ادارہ	46
قسط وار ناول		
اودتیہ سمندری لڑکا	انیتا سرن	47
کہکشاں		
سبق آموز کہانیاں	امیر حسن نورانی	55
عزت دوبارہ نہیں ملتی	ایمن	56
چمن چمن کے پھول		57
ننھے فنکار		
کامیابی کا راز	ثانیہ ناز ضیاء الرحمن	59
بچوں کی پینٹنگ		61

آپس کی باتیں

بچے کسی بھی قوم وملک کے شاندار مستقبل کی ضمانت ہوتے ہیں۔ اگر بچوں کو اچھی تعلیم وتربیت دی جاتی ہے، تو وہ آگے چل کر ملک کا نام روشن کرتے ہیں اور اسے ترقی کی منزلوں کی طرف لے جاتے ہیں، لیکن اگر ان کے تعلق سے لاپرواہی برتی جاتی ہے، تو نہ صرف یہ کہ خود ان بچوں کا مستقبل خطرے میں پڑ جاتا ہے بلکہ پورے ملک کا آنے والا کل بھی داؤ پر لگ جاتا ہے۔ اس لیے بچوں پر خصوصی توجہ دی جانی ضروری ہے۔ یعنی بہتر انداز میں ان کی نگہداشت کی جائے، ان کی تعلیم کا بندوبست کیا جائے اور ہر سطح پر ان کو عمدہ تربیت دی جائے۔ بچوں کو اس بات سے بھی آگاہ کیا جائے کہ وہ اپنی صلاحیتوں کو نکھاریں، کیونکہ قدرت نے ان کے اندر بے پناہ صلاحیتیں رکھی ہیں۔

بچوں کی کامیابی کے لیے جو چیزیں بہت اہم ہیں، ان میں ایک خوداعتمادی ہے۔ والدین، اساتذہ اور ان کے بڑے ان میں خوداعتمادی پیدا کرنے کی پوری کوشش کریں۔ بعض بچوں کے اندر زبردست خوداعتمادی دیکھنے کو ملتی ہے۔ وہ جو بھی کرتے ہیں، اعتماد کے ساتھ کرتے ہیں اور کامیاب ہوتے ہیں۔ کامیابی کی منزلوں کو طے کرنے کے لیے ایک اور چیز جو بہت بنیادی ہے وہ ہے 'مثبت سوچ'۔ تاریخ گواہ ہے کہ جن لوگوں نے عظیم کارنامے انجام دیے، وہ مثبت سوچ والے لوگ تھے۔ والدین بھی بچوں کو مثبت فکر کا پیغام دیں۔

پیارے بچو! آپ خود بھی خوداعتمادی اور مثبت فکر کی طاقت کا احساس کرسکتے ہیں۔ اگر آپ واقعی طاقتور بننا چاہتے ہیں، تو اپنی سوچ کو مثبت بنائیں، کیونکہ مثبت سوچ خود ایک ایسی طاقت ہے جسے شکست نہیں دی جاسکتی۔ اس کے ساتھ اگر آپ 'وقت' کی قدروقیمت کو بھی پہچان لیں، تو نہ صرف یہ کہ کامیابی اور آسان ہوجائے گی بلکہ یقینی طور پر کامیابی آپ کے قدم چومے گی۔ لہٰذا آج ہی فیصلہ کریں کہ وقت کی صحیح منصوبہ بندی اور اس کا درست استعمال بھی کریں گے۔

بچو! ایک اور بات جو آپ کو بلندیوں تک لے کر جاتی ہے، آپ کے آباواجداد اور بڑی شخصیات ہیں جن سے آپ بہت کچھ سیکھتے ہیں، جن کے کارناموں اور روشن ہدایتوں پر عمل کرکے اپنی شخصیت کو نکھار سکتے ہیں۔ آپ ان کا احترام کریں اور ان کے کارناموں سے ترغیب حاصل کریں۔ آپ نے ڈاکٹر اے پی جے عبدالکلام کا نام سنا ہوگا جنھیں آج دنیا 'میزائل مین' کے نام سے جانتی ہے۔ وہ ہندوستان جیسے عظیم ملک کے صدر بھی رہے، حالانکہ وہ بہت غریب خاندان سے تھے۔ بچپن میں انھیں گزربسر کے لیے اخبارات بھی بیچنے پڑے، مگر آگے بڑھنے کا ان کے اندر جذبہ تھا، خوداعتمادی تھی، وقت کا صحیح استعمال تھا تو دنیا نے دیکھا کہ انھوں نے نہ صرف ملک کا نام روشن کیا بلکہ وہ ملک کو دفاعی سطح پر مضبوط بھی بنا گئے۔ لال بہادر شاستری کا بچپن بھی بڑی مفلسی میں گزرا، مگر غربت کو انھوں نے اپنی ترقی کی راہ میں حائل نہیں ہونے دیا۔ اس طرح ہمارے ملک میں اَن گنت شخصیات ایسی گزری ہیں جنھوں نے نامساعد اور مشکل حالات کے باوجود ترقی کے اعلیٰ مدارج طے کیے اور قوم وملک کا سر کامیابی سے اونچا کیا۔ بچو! اب یہ کارنامے آپ کو انجام دینے ہیں، آپ کو اپنے اسلاف کے نقش قدم پر چل کر کامیاب ہونا ہے اور اپنے ملک کو آگے لے جانا ہے۔

آپ کا

شیخ عقیل احمد

ڈاک خانہ

ماہنامہ 'بچوں کی دنیا' کا تازہ شمارہ (جولائی 2020) میرے سامنے ہے جو دیدہ زیب ہونے کے ساتھ مواد کے اعتبار سے نہایت اہم ہے۔اس شمارے میں بچوں کے حوالے سے جو مضامین شائع کیے گئے ہیں، وہ بچوں کے لیے سبق آموز ہیں۔ مدیر کا خط 'آپس کی باتیں' میں بچوں کو کئی نصیحتیں کی گئی ہیں کہ اگر ان پر وہ عمل کرلیں تو کامیابی ان کے بہت نزدیک ہے۔ اس کے بعد مضمون 'کورونا وائرس اور بچے' کو شامل اشاعت کیا گیا ہے۔ یہ مضمون موجودہ حالات کے تناظر میں بہت اہم ہے۔ کیونکہ اس وقت پوری دنیا کورونا کی زد میں آچکی ہے۔ ہر طرف ہاہا کار مچی ہوئی ہے۔نظام زندگی معطل ہو چکا ہے۔لوک ڈاؤن یا احتیاط کے تقاضے کے پیش نظر لوگ گھر سے باہر کم نکل رہے ہیں جس کے سبب بازاروں کی رونق مفقود ہو چکی ہے۔ جہاں انسانوں کا ہجوم رہتا تھا، اب وہاں سناٹا چھایا ہوا ہے۔ کورونا جس تیزی کے ساتھ پھیل رہا ہے، اس کا تقاضہ بھی یہی ہے کہ کہیں بھیڑ نہ لگائی جائے، سوشل ڈسٹنسنگ قائم رکھی جائے۔ تاکہ کورونا کے پھیلاؤ کو محدود کیا جاسکے۔ مضمون میں مضمون نگار نے کورونا وائرس کے بارے میں قیمتی معلومات فراہم کی ہیں۔ ان معلومات کو یکجا کرکے اور ان پر عمل پیرا ہوکر کورونا کے خطرات سے بچا جاسکتا ہے۔

'حیرت انگیز کیڑے، پتنگے اور پودے' ایچ ایم یٰسین کا مضمون ہے۔ اس میں کیڑوں، پتنگوں اور پودوں کے بارے میں بتایا گیا ہے۔اس مضمون میں کیڑوں، پتنگوں اور پودوں کے بارے میں جو معلومات دی گئی ہیں، وہ چونکانے والی ہیں۔ عبدالشاہد نے 'ڈاکٹر سالم علی: ماہرِ پرند' پر مضمون لکھا ہے۔اس مضمون کو پڑھ کر پتہ چلتا ہے کہ ڈاکٹر سالم علی کس طرح ماہر پرند ہوئے۔ مضمون 'ڈیجیٹل لائبریری' از منور حسن کمال واقعی اس دور کے لحاظ سے بہت عمدہ مضمون ہے۔ کیونکہ یہ دور ڈیجیٹل کا ہے۔ ہر چیز آہستہ آہستہ ڈیجیٹل ہوتی جارہی ہے۔اب کاغذ پر کتابوں کی اشاعت کا دائرہ سکڑ رہا ہے اور کتابیں انٹرنیٹ پر پڑھی جانے لگی ہیں۔ اسی لیے لائبریریوں کو ڈیجیٹل کیا جانے لگا ہے تاکہ لوگ گھر بیٹھے کتابوں کے ذخیرے سے جڑ سکیں۔

منظر امن کا مضمون 'آن لائن تعلیم وتدریس' بھی پسند آیا۔ اس لیے بھی کہ اب آن لائن تعلیم کا رواج عام ہوتا جارہا ہے، مگر بعض لوگ ابھی بھی اس طریقۂ تدریس سے فائدہ نہیں اٹھا پا رہے ہیں۔ حالانکہ اس کے بغیر اب چارۂ کار بھی نظر نہیں آرہا ہے۔

مضامین کے علاوہ جو کہانیاں شائع کی گئی ہیں وہ بھی عمدہ اور سبق آموز ہیں۔ کہانی 'محبت کا نرالا انداز' بہت پسند آئی۔ سعدیہ پروین کی کہانی 'خوب کھلائی کھیر' بھی اچھی کہانی ہے۔اس شمارے میں عمدہ نظمیں بھی شائع کی گئی ہیں۔ یہ نظمیں معلوماتی بھی ہیں، دلچسپ بھی اور سبق آموز بھی۔ قسط وار شائع ہونے والا ناول 'ادتیہ سمندری لڑکا' واقعی بہت دلچسپ ہے۔ ہر ماہ اس ناول کا انتظار رہتا ہے۔ میں بچوں کی دنیا کی پوری ٹیم کو مبارکباد پیش کرتا ہوں۔

ابو حسان، ٹانڈہ رامپور، یوپی

محمد خلیل

2020 کا پہلا سورج گرہن آپ نے دیکھا

اِس سال کا سب سے بڑا سورج گرہن (سورج گہن) اتوار 21 جون کو ہندوستان کے شمالی علاقوں میں صبح تقریباً دس بج کر بیس منٹ پر شروع ہوا اور دو بج کر دس منٹ پر ختم ہوگیا۔ اس سے پہلے سورج گرہن 26 دسمبر 2019 کو جنوبی ہندوستان سے جزوی طور پر دیکھا گیا تھا۔ اب آئندہ گرہن ہمارے ملک میں اگلی دہائی میں دکھائی دے گا جو سائنس دانوں کے کہنے کے مطابق مئی 2031 کو نظر آئے گا۔ اس کے بعد 20 مارچ 2034 میں مکمل سورج گرہن دکھائی پڑے گا۔ اس سال کے پہلے سورج گرہن کو ملک کے سائنس ٹکنالوجی کے ادارے نے عوام کے لیے اسی وقت اس کو میڈیا پر دکھایا تھا جس کا ذکر یہاں دلچسپی سے خالی نہ ہوگا۔ یہ ایک فلکیاتی واقعے کے طور پر سال کا سب سے بڑا سورج گرہن تھا جس سے پورے ملک میں عوام کے درمیان کئی جگہوں پر بہت جوش وخروش دیکھا گیا لیکن کئی جگہوں پر مایوسی بھی رہی جہاں یہ نظر نہیں آیا۔ آسمان پر بادل کا ہونا اس کی خاص وجہ تھی۔ کچھ علاقوں میں یہ روشن انگوٹھی کی طرح دکھائی دیا۔ یہ تقریباً بارہ بجے پوری طرح روشن تھا۔ ایک اندازے کے مطابق یہ گرہن ملک کے تقریباً 66 شہروں میں نظر آیا تھا۔ قومی راجدھانی دہلی، چینئی، اور مدھیہ پردیش کے علاوہ بھی یہ ملک کے دوسرے حصوں میں نظر آیا۔ یہ ایک آسمانی خوبصورت واقعہ ہے۔ راجستھان میں اجمیر میں یہ روشن انگوٹھی کی طرح دکھائی پڑا، جبکہ چینئی میں کٹے چاند کے طور پر، دبئی میں چاند کی طرح کا سورج گرہن نظر آیا۔ دہرادون میں آسمان پوری طرح صاف تھا، اس طرح وہاں تیس سیکنڈ تک پورا سورج گرہن نظر آیا تھا۔ اس دوران روشنی میں بھی کمی واقع ہوگئی تھی۔ علاقہ کروکھیتر میں اس کا نظارہ نہایت صاف دکھائی پڑتا ہے۔ اس لیے ہمارے سائنس دانوں کی یہ کوشش ہوتی ہے کہ وہیں موقعہ پر رہیں تاکہ اس کو گہرائی سے ہم سمجھ سکیں۔ اسے کھلی آنکھوں سے دیکھنا آنکھوں

مضمون

کونقصان پہنچاتا ہے۔ایک مرتبہ بھی اس کو دیکھنے سے اس سے آنکھ کونقصان پہنچ سکتا ہے۔اس طرح گرہن کو دوربین سے ہی دیکھنا چاہیے۔کبھی اس دوربین کی ایجاد مشہور سائنس داں گیلیلیو نے کی تھی۔

سائنس دانوں کا کہنا ہے کہ زمین ایک سیارہ ہے۔یہ اپنے محور پر گردش کرنے کے ساتھ سورج کے گرد بھی گھومتی ہے۔جبکہ چاند زمین کا تابع (ماتحت) سیارہ ہے۔یہ زمین کے گرد گھومتا ہے۔جب کبھی زمین اور چاند گردش کرتے ہوئے ایسی جگہ پر آجاتے ہیں اس وقت زمین اور سورج کے بیچ چاند نظر آجاتا ہے اور اس وقت چاند سورج کو پوری طرح ڈھک لیتا ہے۔اس وقت لوگوں کے لیے کچھ دیر کو یہ سورج بغیر روشنی کا ہو جاتا ہے۔کچھ دیر بعد پھر سورج کی روشنی چاند کے ہٹنے سے آنے لگتی ہے۔اسے ہی مکمل سورج گرہن کہتے ہیں لیکن کچھ خاص جگہوں پر یہ تھوڑی دیر کے لیے دکھائی دیتا ہے۔جب یہ تینوں ایک سیدھ میں ہوتے ہیں، اس وقت چاند کا فاصلہ دونوں کے مقابلے میں کم ہوتا ہے۔سائنس دانوں کا کہنا ہے کہ آسمان میں کروڑوں ستارے ہیں جن میں سورج سب سے قریب ہے اور قریب ہی ہونے سے یہ ہمیں کافی روشن دکھائی دیتا ہے۔یہ تو ہم جانتے ہی ہیں کہ سورج کی روشنی اور گرمی دنیا کے سارے انسانوں، جانوروں اور درختوں کے لیے بہت ضروری ہے۔

سورج گرہن ایک قدرتی واقعہ ہے لیکن حقیقت سے ہٹ کر لوگوں کے دلوں میں طرح طرح کے خیالات نے جگہ بنا لی ہے۔مثال کے طور پر کچھ لوگوں کا سوچنا ہے کہ سورج پر کوئی مصیبت آن پڑی ہے یا پھر یہ جگہ سے ہٹ گیا ہے لیکن ان دقیانوسی خیالات (توہمات) کا سچائی سے کوئی تعلق نہیں ہے۔سورج گرہن سائنس دانوں کو نئی جانکاری کو معلوم کرنے کی دعوت دیتا ہے۔دوسری طرف یہ آسمانی خوبصورت نظارہ لوگوں میں دلچسپی اور جوش پیدا کرتا ہے۔ابھی ہمارے سائنس داں اس قدرتی واقعے سے بہت کچھ دریافت کرنے کے لیے کوشاں ہیں۔

■

Mohammad Khalil
Ex. Scientist
H-51, Dr. Iqbal Lane
Batla House, Jamia Nagar
New Delhi - 110025
Mob.: 011-26985492 (R)

انیس الحسن صدیقی

وایومترا کی کہانی اس کی زبانی!

ہائے دوستو! میرا نام وایومترا ہے۔کیا آپ میری کہانی سننا پسند کریں گے؟ جی ہاں! تو خوب دھیان سے سنیے۔

میں ایک آدھی مصنوعی انسان جیسی ایک ہندوستانی روبوٹ ہوں۔ مجھے ہندوستانی خلائی ایجنسی اسرو کے ایک تکنیکی سائنسداں پرناؤ مستری نے بنایا ہے۔ مجھے انھوں نے ایک ہندوستانی نوجوان لڑکی کا روپ دیا ہے۔ ہمارے پردھان منتری شری نریندر مودی جی بھی لڑکیوں سے بہت پیار کرتے ہیں۔ ''بیٹی بچاؤ، بیٹی پڑھاؤ'' اُن کا ہی نعرہ ہے۔

میں ابھی آدھی ہوں کیونکہ میری ٹانگیں نہیں بنی ہیں۔ آنے والے دنوں میں میں امید کرتی ہوں کہ میری ٹانگوں کے ساتھ ساتھ مجھے اور بھی زیادہ بہتر بنایا جائے گا۔ میں اس طرح، خلائی ایجنسی اِسرو کی خلائی دوڑ میں بہت ہی زیادہ مدد کر سکوں گی۔ فی الحال، تو میں بیٹھے بیٹھے اپنے چہرے کی آنکھوں، کانوں، ناک، ہونٹوں اور آدھے جسم کے ہاتھوں اور انگلیوں سے کام کر سکتی ہوں۔ صرف چل پھر نہیں سکتی۔ میں آپ کو بتاتی ہوں کہ میرے آدھے جسم کے حصوں میں کیا کیا مشینیں لگائی گئی ہیں۔

سب سے پہلے میں اپنے دماغ میں لگے چپس کے بارے میں بتاتی ہوں کہ اس میں جسم کے ہر حصہ میں لگی تمام مشینوں سے جانکاریاں آتی ہیں۔ پھر ان جانکاریوں کے مطابق یہ ہی چپس میرے جسم کے ایک حصے کو کام کرنے کا حکم دیتا ہے۔ وہ حصہ میرے سینہ میں لگی بیٹری کی مدد سے اس حکم کی فوراً تعمیل کرتا ہے۔ یہ بیٹری خود بہ خود متواتر چارج ہوتی رہتی ہے۔ میری آنکھوں میں بہت ہی اعلیٰ درجہ کے کیمرے لگے ہوئے ہیں۔ ان کے ذریعہ میں ہر شخص کو پہچان لیتی ہوں اور اسے خوش آمدید کہتی ہوں۔ اسی لیے میں آپ کو پہچان کر آپ کو اپنی کہانی سنا رہی ہوں۔ اِن کیمروں کی مدد سے میں ہر چیز کو بھی پہچانتی ہوں اور خاص طور پر میری میز پر لگے خلائی جہاز گگن یان کو کنٹرول کرنے اور زمین پر ہندوستانی خلائی سینٹر تک جانکاریاں پہنچانے کے مختلف بٹن کو بھی۔ میں اپنی

ناک سے ہر قسم کی بدبو اور خوشبو بھی سونگ کر بتا سکتی ہوں۔ میرے منہ میں بہت ہی اعلیٰ قسم کا ایک اسپیکر لگا ہوا ہے۔ جب میں اس اسپیکر کی مدد سے بولتی ہوں تو میرے ہونٹ ہلتے ہیں۔ آپ سمجھتے ہیں کہ گویا میں آپ سے بات کر رہی ہوں۔ حالانکہ میرے منہ میں لگا اِسپیکر بولتا ہے۔ میرے کان اُن تمام آوازوں کو سنتے ہیں جو اُن تک پہنچتی ہیں۔ میرے کانوں میں بہت ہی اعلیٰ قسم کے اینٹینا لگے ہوئے ہیں جو کسی بھی آواز یا پیغام کو محسوس کرتے ہیں۔ یہ آوازیں یا پیغام اِن اینٹینا سے میرے دماغ میں لگے چپس تک پہنچتے ہیں۔ میرے دماغ میں لگے چپس، میرے منہ میں لگے اِسپیکر کو بولنے کا حکم دیتے ہیں۔ یہ ہی نہیں، دسمبر 2020 میں جب میں ہندوستانی خلائی جہاز گگن یان میں بیٹھی خلائی سفر کر رہی ہوں گی تب اسرو کے خلائی سینٹر سے میرے لیے جو بھی کمانڈس آئیں گے تو میرے کان کے اینٹینا ان کو سن کر میرے دماغ میں لگے ہوئے چپس تک ان کو پہنچائیں گے اور اس کے جواب میں یہ ہی چپس میرے ہاتھوں کو کمانڈس دیں گے کہ کب اور کس وقت مجھے کونسا بٹن اپنے ہاتھوں کی انگلیوں سے دبانا ہے۔ اس طرح میں اپنے ہندوستانی خلائی ایجنسی کے سینٹر میں کام کر رہے سائنسدانوں اور تکنیکی ماہروں کی ٹیم کی ان کے خلائی مشن میں پوری پوری مدد کر سکوں گی۔ میں خلا کے بارے میں تمام جانکاری اُن تک پہنچاؤں گی۔

3 نومبر 1957 کو سوویت یونین نے مصنوعی سیارچہ اِسپوٹنک۔دوم خلا میں چھوڑا تھا جس میں کتیا لائیکا موجود تھی۔ لائیکا نے ہماری زمین کے گرد مدار میں سات چکر لگائے تھے۔ ایک ہفتہ کے بعد اس کی آکسیجن گیس کی سپلائی ختم ہوگئی تھی جس کی وجہ سے وہ مرگئی تھی۔ اس وقت مصنوعی سیارچہ کو زمین پر واپس لانے کا کوئی طریقہ نہیں تھا۔

1959 میں امریکہ نے 'ایبل' اور 'بیکر' نام کے دو بندروں کو خلا میں روانہ کیا تھا جو زمین پر کامیابی کے ساتھ واپس آ گئے تھے۔ یہ جانوروں کے ساتھ ظلم تھا۔

میں ایک مصنوعی مشین ہوں۔ خلا میں میرا کچھ بھی نہیں بگڑے گا۔ اگر میں کسی بڑے حادثہ کی وجہ سے برباد بھی ہوجاتی ہوں تو میری جیسی دوسری وایومترا یا مجھ سے بھی اچھی دوسری مصنوعی مشین بن سکتی ہے۔

اب تو آپ جان گئے ہوں گے کہ کس طرح مصنوعی ذہانت کا روبوٹ بنایا جا سکتا ہے۔ آپ میری نقلی شکل کا نقلی روبوٹ بنا کر اپنے اسکول میں ایک پروجیکٹ کے تحت سب کو بتا سکتے ہیں کہ مصنوعی ذہانت کا روبوٹ کس طرح بنایا جاتا ہے۔

اب جلدی سے آپ اپنی تعلیم پوری کر کے سائنسداں یا تکنیکی ماہر بنیں اور ہندوستانی خلائی ایجنسی کے خلائی مشن میں کام کریں اور اپنے ماں باپ اور ملک کا نام روشن کریں۔

اچھا! اب بہت دیر ہوگئی ہے۔ بائے! بائے! بائے!

■

A.H. Siddiqui
Shoqeen Astronomer
679, Sector-22B
Gurugram- 122015 (Haryana)
Mob.: 9654949434

عاکف سنبھلی

بچوں کا بین الاقوامی فنڈ: 'یونیسیف'

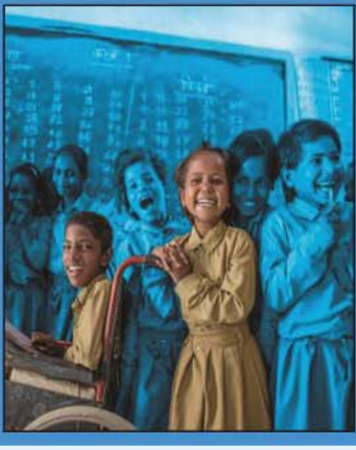

بچو! یہ تو آپ سبھی جانتے ہوں گے کہ یہ دنیا جہاں ہم سب رہتے ہیں بہت بڑی ہے۔ اس میں بہت سے ملک ہیں۔ ان تمام ملکوں میں آپس میں مل جل کر کام کرنے، انسانی فلاح و بہبود اور معاشرے کی ترقی و ترویج کے لیے ایک ادارہ قائم کیا گیا ہے جس کو ہم 'اقوام متحدہ' کے نام سے جانتے ہیں۔ اس ادارے کی تاریخ ہم کو بتاتی ہے کہ دوسری عالم گیر جنگ کے دوران بے شمار انسانی جانوں کا اتلاف اور بیش قیمت مال کا نقصان ہوا۔ بڑی طاقتوں کے ذریعے کمزور اور چھوٹے ملک جاپان پر ایٹم بم جیسے خطرناک ہتھیار کا استعمال کیا گیا۔ اس واقعے نے دنیا کے رہنماؤں کو متفکر کر دیا۔ انھیں یہ خطرہ محسوس ہوا کہ اگر مستقبل میں پھر کبھی ایسی خطرناک جنگ ہوئی تو پوری انسانی نسل ہی جل کر راکھ ہو جائے گی۔ اس لیے انھوں نے یہ فیصلہ کیا کہ اس کے بعد اس طرح کی جنگ نہ ہونے پائے۔ اسی وقت سے ہی انسانی ہمدردی رکھنے والے رہنماؤں کے ذہنوں میں یہ خیال آنے لگا کہ عالمی پیمانے پر کسی ایسی تنظیم کی بنیاد ڈالی جائے جو دنیا میں امن و امان اور انسانی محبت پیدا کر سکے۔ اسی عظیم مقصد کے تحت آخر کار 24/ اکتوبر 1945 کو 'اقوام متحدہ' کی بنیاد پڑی۔ اس لیے ہر سال 24/ اکتوبر کا دن 'یوم اقوام متحدہ' کے طور پر منایا جاتا ہے۔

اقوام متحدہ کا مرکزی دفتر امریکہ کے شہر نیویارک میں ہے۔ اس کے ارکان کی تعداد 160 سے بھی زیادہ ہے۔ اس ادارے کے کچھ ذیلی شعبہ جات بھی ہیں۔ جن میں ایک شعبہ کا نام 'یونیسیف' ہے۔ یہ دراصل انگریزی کے چند حروف کا مجموعہ ہے۔ یہ مجموعہ UNICEF کچھ انگریزی الفاظ کے مخففات Short Forms ہیں۔ جن کی تفصیل اس طرح ہے:

United Nations International Children Emergency Fund (اقوام متحدہ کا ادارہ برائے عالمی ایمرجنسی فنڈ برائے اطفال) اقوام متحدہ کا یہ شعبہ دراصل بچوں کے مسائل اور ان کے تدارک کے لئے قائم کیا گیا ہے۔ جیسا کہ اوپر تحریر کیا جا چکا ہے کہ دوسری جنگ عظیم کے موقع پر انسانی جان و مال کی زبردست تباہی ہوئی تھی۔ اس جنگ میں بے شمار بچے یتیم و لاچار ہو گئے تھے۔ جن کی دیکھ بھال اور پرورش و

نگہداشت ایک مسئلہ بن گئی تھی۔ ان بچوں کو اناج، دوائیں اور لباس و دیگر ضروریاتِ زندگی کی اشیا بھی میسر نہ تھیں۔ اقوام متحدہ کا یہ فنڈ انہی ضروریات کو پورا کرنے کے لیے قائم کیا گیا۔ اس ادارے نے اپنی افادیت کی وجہ سے بہت جلد مقبولیت وشہرت حاصل کرلی۔

بچوں کی دیکھ بھال، ذہنی نشو ونما اور ان کی فلاح و بہبود کے لیے اس ادارے کی جانب سے نہایت اہم ونمایاں کردار ادا کیا گیا۔ جس کی وجہ سے اس ادارے کو بہترین کردار اور عمدہ کارناموں کے اعتراف کے طور پر 1965 میں 'نوبل انعام' سے بھی نوازا گیا۔ اس ادارے کی مقبولیت کا ایک اور ثبوت یہ بھی ہے کہ 1983 تک UNICEF کا دائرہ دنیا کے 110 ر ممالک تک پھیل گیا۔ اس وقت ان ممالک کی مجموعی آبادی تقریباً ایک ارب تیس کروڑ تھی۔ آج یہ ادارہ دنیا کے بیشتر ممالک تک پہنچ چکا ہے۔ بالالفاظ دیگر اقوام متحدہ کا یہ شعبہ اپنے آغاز 1945 سے آج تک کے زمانے تک دنیا کی اتنی بڑی آبادی سے متعلق بچوں کی نگہداشت کی ذمہ داری کا بوجھ نہایت دیانتداری کے ساتھ نباہ رہا ہے۔ جس کا اعتراف آگے چل کر دنیا کے بیشتر ممالک کو کرنا پڑا۔

اقوام متحدہ کے اس شعبہ کا مقصد قیام بچوں کی فلاح و خیر سگالی کے ساتھ جنگ یا کسی اور ناگہانی آفت کی وجہ سے متاثر ہونے والے بچوں کی دیکھ بھال ہے۔ افغانستان پر امریکہ کے ہونے والے حالیہ حملوں کی وجہ سے اس فنڈ کی اہمیت اور بھی زیادہ بڑھ گئی ہے۔ اسی طرح دنیا کے دیگر ممالک فلسطین، کشمیر، شام، عراق، لیبیا اور ان جیسے ہی دیگر جنگ زدہ ممالک میں نہ جانے کتنے معصوم و بے گناہ بچوں کی نگہداشت، ان کی صحت، تعلیم اور دیگر ضروریات زندگی کی فراہمی کے مدنظر UNICEF کا کردار اور بھی زیادہ اہم ہو جاتا ہے۔ اپنا کردار پوری ذمے داری کے ساتھ بحسن و خوبی ادا کرنے کی مکمل صلاحیت اس ادارے کو حاصل ہے اور وہ اپنی اس ذمہ داری کو پوری طرح سے نبھاتا بھی رہا ہے۔ اسی خوبی کی بنیاد پر اس کو عالمی پیمانے پر بچوں کا سب سے بڑا ادارہ تسلیم کیا گیا ہے۔

■

Dr. Razaur Rahman Akif Sambhali
Meyan Sarai
Sambhal - 244302 (UP)
Mob.: 9837826809

شمیم احمد

گاندھی جی کا سابرمتی آشرم

سابرمتی آشرم 1917 سے 1930 تک گاندھی جی کی جائے قیام تھی اور یہ جدوجہدِ آزادی کے اہم مراکز میں سے ایک مرکز تھا۔ ابتدا میں اس کا نام ستیہ گرہ آشرم تھا جو کہ مہاتما گاندھی کی شروع کی ہوئی عدم تشدد اور ستیہ گرہ کی تحریک کی علامت تھا۔ جنوبی افریقہ سے وطن واپسی کے بعد گاندھی جی نے 25 مئی 1915 کو احمدآباد کے کوچراب علاقے میں اپنا پہلا آشرم قائم کیا۔ دوسال بعد یہ آشرم سابرمتی دریا کے کنارے ایک کھلی سرزمین پر منتقل ہوگیا۔ گاندھی جی کہا کرتے تھے کہ ”حق وصداقت کی جستجو اور ڈر خوف کی زندگی سے آزادی کی خاطر انجام دی جانے والی ہماری سرگرمیوں کے لیے یہ بالکل صحیح مقام ہے۔ اس آشرم کی ایک جانب غیر ملکیوں کی لوہے کی سلاخوں کی گونج ہے اور دوسری جانب قدرت کی دیوی کی گرج چمک ہے“۔ آشرم کی یہ سرزمین احمدآباد شہر سے قدرے دور اور چاروں طرف جنگلات سے گھری تھی جس میں سانپوں کی بہتات تھی۔ سابرمتی دریا کے کنارے اونچی اور ڈھلواں چٹانوں سے گھرے اس آشرم کے ایک جانب انگریزوں کی جیل تھی جہاں قیدیوں کے ہاتھوں میں بندھی زنجیروں کی تڑپانے والی آوازیں آتی رہتیں اور دوسری جانب قدرتی مظاہر جیسے بجلی اور بھاری بارشیں اپنے جلوے بکھیرتیں۔

36 ایکڑ پر پھیلے اس آشرم کو ایک ایسی انسانی تجربہ گاہ کہا جاسکتا ہے جہاں گاندھی جی اپنے اخلاقی اور روحانی تجربے کیا کرتے تھے۔ یہاں رہنے والے لوگ ایک خاندان کی طرح رہا کرتے۔ حالانکہ ان کا آپس میں کوئی خون کا رشتہ نہیں تھا۔ بس وہ ہم خیال لوگ تھے جو اپنی تربیت کے لیے کچھ بھی چھوڑنے کو تیار تھے۔ گاندھی جی

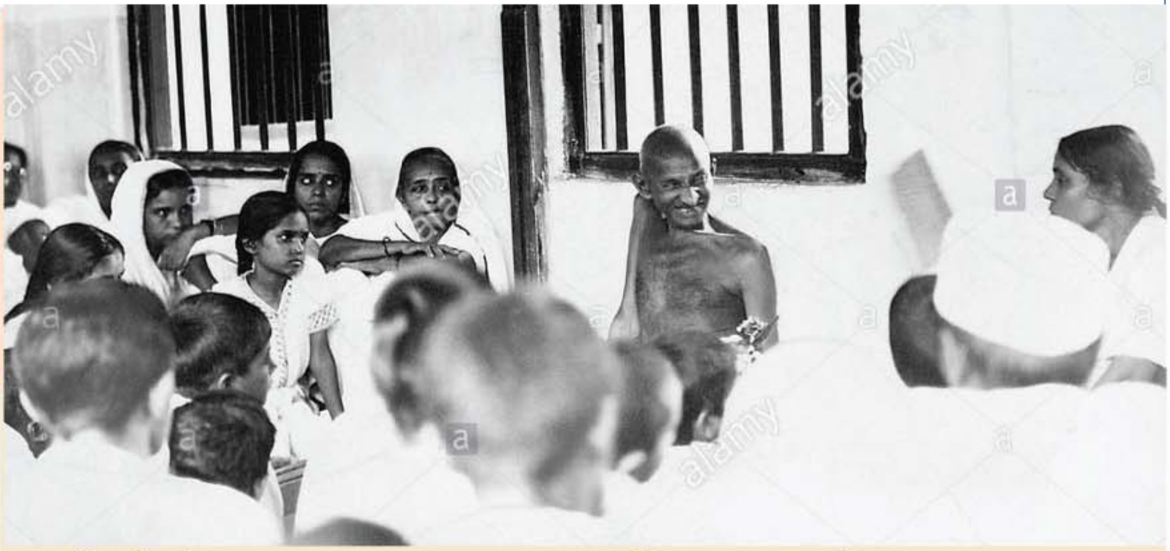

نے یہاں ایک ایسی درس گاہ قائم کی جو محنت مزدوری، کھیتی باڑی اور تعلیم پر توجہ دیتی تھی تاکہ لوگ خودکفیل ہوسکیں۔ وہ دوسروں کے محتاج نہ رہیں، اپنی روزی روٹی خود کما سکیں۔

سابرمتی کے بنیادی مقاصد میں یہ شامل تھا کہ سب کے لیے تعلیم کا سامان ہو، سب تعلیم حاصل کریں اور علم و معلومات کا فروغ ہو۔ آشرم میں جھوٹ بولنے کی اجازت نہیں تھی۔ یہاں صرف سچ بولنے کی پابندی تھی۔ تشدد اور غصہ دونوں سے پرہیز کرنا ضروری تھا۔ ایک دوسرے سے محبت اور یگانگت کا اظہار اس آشرم کی بنیادوں میں شامل تھا۔ سادہ زندگی گزارنے کی تاکید کی جاتی تھی۔ پھل اور سبزیوں یا دالوں پر گزارا کرنا ہوتا تھا۔ گوشت کھانے کی اجازت نہیں تھی اور شراب کی قطعی ممانعت تھی۔ یہاں رہنے والوں کے لیے گھر کی بنی ہوئی سادہ چیزیں استعمال کرنا، ہر قسم کے ڈر اور خوف پر قابو پانا اور ذات پات، چھوت چھات کو جڑ سے اُکھاڑ پھینکنا لازمی تھا۔ آشرم میں رہنے والے تمام انسان برابر تھے۔ کسی کو کسی دوسرے پر کوئی فوقیت حاصل نہیں تھی۔

سابرمتی آشرم میں رہنے والے افراد کو جائداد بنانے کی اجازت نہیں تھی۔ گاندھی جی چاہتے تھے کہ یہاں لوگوں کی تربیت اس طور پر ہو کہ وہ انسانوں کا احترام کرنا سیکھ جائیں اور اپنے حق کے لیے سینہ سپر ہونے کا حوصلہ ان میں پیدا ہو جائے۔ چرخے پر کھادی کاتنے اور چھوت چھات سے قطعی پرہیز کرنے کی ان کی مہم سے ہندوستان کے محروم عوام قومی دھارے کا حصہ بن گئے۔

سابرمتی آشرم سے گاندھی جی کی پہلی جدوجہد ٹیکسٹائل مزدوروں کی ہڑتال کی صورت میں شروع ہوئی۔ مل مالکوں اور نامناسب اجرت پانے والے مزدوروں کے درمیان کوئی سمجھوتہ طے نہیں ہوا اور صورتِ حال قطعی تعطل کا شکار ہوگئی تھی۔ کئی کئی دن تک فاقے کی حالت میں رہنے والے مزدوروں کے لیے یہ بہت مشکل کام تھا کہ وہ غصے اور نفرت کا اظہار نہ کریں۔ گاندھی جی نے ان کے ساتھ فاقے کیے اور پھر انھیں مزدروں کی مدد سے سابرمتی میں بنکروں کا اسکول قائم کیا۔

اسی سابرمتی آشرم میں بے انتہا طاقتور انگریزوں سے لوہا لینے کی حکمتِ عملی تیار کی جاتی۔ یہ سوچا جاتا کہ انگریزوں کی غلامی سے نجات حاصل کرنے کے لیے کیا کیا جائے۔ وطن عزیز کو کس طرح آزادی دلائی جائے۔ پھر وہ وقت بھی آیا جب سب نگاہیں سابرمتی آشرم کی طرف لگ گئیں کہ نمک

قانون کے خلاف گاندھی جی کیا کریں گے۔ 12 مارچ 1930 کو صبح ساڑھے چھے بجے نمک ستیہ گرہ کی تاریخ رقم کرنے گاندھی جی روانہ ہوئے۔ لاٹھی ہاتھ میں لے کر وہ گجرات کی دھول بھری سڑکوں سے گزرے۔ ثابت قدم بلند نگاہ۔ یہ سفر روح کے سفر کی علامت تھا جو اپنی زنجیروں کو توڑ کر حقیقی معنی میں آفاقی نوعیت کی حامل ہوگئی۔ مہاتما گاندھی سابرمتی آشرم سے کبھی نہ لوٹ کر آنے کے لیے روانہ ہوئے۔ انھوں نے وعدہ کیا کہ وہ ہندوستان کو آزادی دلانے کے بعد ہی سابرمتی آشرم واپس آئیں گے۔ حالانکہ 15/ اگست 1947 کو وہ اپنے خواب کی تعبیر حاصل کرنے میں کامیاب ہوگئے لیکن چند مہینے بعد ہی راہی ملکِ عدم ہونے کے باعث وہ کبھی سابرمتی آشرم نہیں لوٹے۔ اپنی زندگی میں ہی انھوں نے اس آشرم کو دان کرکے ملکیت قائم نہ کرنے اور مادی دنیا سے قطع تعلق کرنے کے درخشاں اصولوں کو سربلندی عطا کی۔

آج یہ آشرم تحریک اور رہنمائی کا ایک وسیلہ ہے۔ یہ گاندھی جی کی زندگی کے مشن کی یادگار ہے اور ان لوگوں کے لیے ایک نمونہ ہے جو اسی قسم کی جدوجہد کے لیے تیار ہیں۔ یہ آشرم ایک شخص کے عزم، حوصلے اور تصورات کی کہانی بیان کرتا ہے، ساتھ ہی ہمیں اس شاہراہ پر چلنے کی راہ دکھاتا ہے جس پر قدم بڑھا کر ناانصافی سے پاک ہندوستان کے گاندھی جی کے خواب کی تعبیر تلاش کرنا ممکن ہے۔

■

Dr. Shamim Ahmed
Head, Dept of Urdu and Persian
St. Stephens College
Delhi University
Delhi - 110007

Subscription Form "Bachon Ki Duniya"

سالانہ خریداری فارم

میں بچوں کی دنیا' کا رکی سالانہ خریدار بننا چاہتا/چاہتی ہوں۔

100 روپے کا ڈرافٹ/منی آرڈر.................. بتاریخ..................

بنام National Council for Promotion of Urdu Language منسلک ہے۔

میں نے زرِتعاون سالانہ -/100 روپے IFSC: SYNB0009009، A/C: 90092010045326

میں جمع کروادیا ہے۔

آپ 'بچوں کی دنیا' ایک سال کے لیے اس پتے پر بھجوائیں:

نام : ....

پتہ : ....

....

....

اس فارم کو درج ذیل پتے پر بھیج دیں:

Sales Department: NCPUL, West Block 8, Wing7, RK Puram, New Delhi - 110066

فون: 011-26109746 فیکس: 011-26108159، E-mail.:sales@ncpul.in

دستخط

محمد عبادہ قاسمی

فوٹوگرافی کا عالمی دن-19 اگست

یہ دور سائنسی ترقی کا دور ہے، جس میں گذشتہ دو سو سال سے ایجادات پر ایجادات ہورہی ہیں، کہا جاتا ہے کہ ضرورت ایجاد کی ماں ہوتی ہے۔ اس لیے ہر دور میں مختلف چیزیں وجود میں آتی رہتی ہیں۔ فوٹو گرافی کیمرے کے ذریعے کی جاتی ہے، بغیر کیمرے کے کوئی تصویر نہیں لی جاسکتی۔ نہ ہی بغیر کیمرے کے ویڈیو بنایا جاسکتا ہے۔

جب سے تصویروں کا بنانا ممکن ہوسکا تب سے مختلف شعبوں میں لوگوں کی فریب دہی کی وجہ سے اس کا لگانا لازمی ہوگیا اور آج تو ہر شعبے میں اس کو چسپاں کرنا ضروری سمجھا جاتا ہے، چاہے مذہبی معاملہ ہو، یا تعلیمی یا سرکاری وغیر سرکاری تمام جگہوں پر فوٹو کا اہم کردار رہتا ہے۔ اسی تصویر کے ذریعے ہم کو دنیا بھر میں گھومنے کی جگہوں کا دیکھنا، حسین وجمیل پہاڑیوں کی سیر وتفریح اور بڑے بڑے سیاسی و مذہبی رہنماؤں کا دیکھنا گھر بیٹھے ممکن ہوسکا ہے۔ ورنہ اس کے پہلے جتنی بھی تصویریں تھیں، جو کتابوں کے اسباق میں موجود تھیں؟ چاہے وہ مذہبی وسیاسی لیڈروں کی ہوں، یا سائنس دانوں کی، وہ سب کی سب قلم سے بنائی ہوئی خیالی تصویریں تھیں۔ ان کا کیمرے سے کوئی تعلق نہیں تھا لیکن جب سے کیمرے کا دور آیا اور طرح طرح کے کیمرے بن گئے، تب سے ہم جو تصویریں یا گروپ فوٹو دیکھ رہے ہیں، وہ سب اصلی اور کیمرے سے لیے ہوئے ہوتے ہیں۔

عموماً انسان جب کوئی چیز پڑھتا ہے، تو اس کے متعلق وہ تصویریں دیکھنا بھی پسند کرتا ہے، فوٹو کے ذریعے وہ کہانی، سبق اور وہ خبریں دلچسپ، دلکش اور مستند بن جاتی ہیں۔ اسی وجہ سے اخباروں میں خبروں کے ساتھ تصویر لگائی جاتی ہیں۔ خاص طور پر بچوں کی کتابیں ہر ملک میں تصاویر سے سجائی جاتی ہیں، تاکہ بچے ان کو دیکھ کر ان کی طرف لپکیں، ان کی دلچسپی بڑھے، اور مطالعہ کرتے وقت تصویروں کی مدد سے وہ آدھی بات سمجھ جائیں۔ اس کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ ابتدا میں بچے؛ جنھیں ابھی پڑھنا لکھنا نہیں آتا، انھیں ماہرین تعلیم تصاویر کی مدد سے پڑھنا اور کتابوں کی طرف موڑنا سکھاتے ہیں، اسی وجہ سے بچوں کی بہت سی کتابوں میں حروف شناسی

سے پہلے تصاویر کے ذریعے انھیں آس پاس کا ماحول، جانور، پیڑ پودے وغیرہ کے رنگ برنگ فوٹو دکھائے جاتے ہیں، تاکہ وہ جانوروں میں چھوٹے بڑے، موٹے پتلے اور لمبے ناٹے ہونے کو سمجھ سکیں، انھیں فوٹو کے ذریعے رنگوں اور گنتیوں کی پہچان کرائی جاتی ہے۔ بلکہ اکثر دو تین سال کے بچے اپنے بڑے بھائیوں اور بہنوں کی پڑھی ہوئی رنگین تصویری کتابوں کو ہاتھ میں لے کر اس سے اپنی فطری دلچسپی کا اظہار کرتے رہتے ہیں۔

یہ حقیقت ہے کہ بچوں کے وہ رسائل جو تصویروں سے مزین ہوا کرتے ہیں، اکثر ناخواندہ بچے صرف ان کی تصویریں دیکھنے کے لیے جھگڑا کرتے رہتے ہیں، اور کچھ رسالوں میں یکساں دی گئی دو طرح کی تصویروں میں دس چھپے ہوئے فرق کو تلاش کرنے کی نیت سے دونوں میں موازنہ کرتے رہتے ہیں۔ اور اپنی تلاش پانے پر نہایت خوشی کا مظاہرہ کرتے ہیں۔ اسی لیے بچوں کے وہ رسالے زیادہ مقبول ہیں جن میں تصویریں دی جاتی ہیں، یا جن میں کارٹونی کہانیاں دی جاتی ہیں۔ اسی وجہ سے بہت سے رسالے بچوں کی بنائی قلمی تصویروں کو اپنے رسالوں میں جگہ دے کر ان کا حوصلہ بڑھاتے رہتے ہیں۔

جب تک کیمرہ وجود میں نہیں آیا تھا، یہ کام قلموں اور برشوں کے ذریعے کیا جاتا تھا، اسی لیے بادشاہوں اور حکیموں و پرانے سائنس دانوں کی قلمی تصویریں آج بھی کتابوں میں محفوظ ہیں، بہت سے سنگ تراشوں نے انہی چیزوں اور پھیلے ہوئے ماحول کو پتھروں اور دیواروں میں منقش کر کے اپنی صلاحیتوں کا لوہا منوایا ہے، اور آج بھی ہم بہت سے تاریخی و مذہبی مقامات اور عجائب خانوں میں ان کی بنائی منقش چیزیں دیکھ سکتے ہیں۔ جب کیمرہ وجود میں آیا، تو اس سے یہ کام بخوبی انجام پاتا رہا، پھر اس کے کچھ دنوں کے بعد ویڈیو کا دور شروع ہوا، فلمیں بننی شروع ہوئیں، مثلاً جب کیمرہ بنانے والوں نے ایک دوڑنے والے گھوڑے اور اس پر سوار آدمی کی کئی ایک تصویریں اتاریں، ان تصویروں کو جب آپس میں جوڑا، تو انھیں احساس ہوا کہ ہم کچھ تکنیکوں کے ذریعے اسے دوڑتا ہوا بھی دکھا سکتے ہیں، مثلاً انھوں نے دیکھا کہ ہم نے پہلے اس گھوڑے پر چڑھنے والے کی تصویر سوار ہونے کے وقت کی لی، پھر جب وہ مطمئن ہو کر بیٹھ گیا، تب کی تصویر بنائی، پھر اس نے لگام تھامی، تب کی تصویر لی، پھر اس نے گھوڑے کو چلانے کے لیے ایڑ لگائی، تب کا فوٹو لیا اور تیز تیز دوڑتے وقت کی تصویر کشی کی، پھر اترتے وقت کی تصویر لی، ان تصویروں کو ترتیب سے جوڑنے پر انھیں ایسا لگا جیسے واقعی وہ گھوڑ سوار اس پر چڑھ رہا ہے، تیز دوڑ رہا ہے اور اب لگام کھینچ رہا ہے اور اب اتر رہا ہے۔ بس اس خیال کے پیدا ہوتے ہی انسان نے ویڈیو بنانے کے لیے مزید محنت کی اور اس کو کامیابی ہاتھ لگی۔

'ورلڈ فوٹو گرافی ڈے' بین الاقوامی سطح پر ہر سال 19 اگست کو منایا جاتا ہے۔ جس کا مقصد فوٹو گرافی کے فن کو آگے بڑھانا اور دنیا کے دلفریب اور حسین مناظر کو کیمرے میں قید کر کے دنیا کے سامنے پیش کرنا ہے۔ یاد رہے کہ 19 اگست 1839 میں فرانس کی گورنمنٹ نے ورلڈ فوٹو گرافی ڈے منانے کا اعلان کیا اور دنیا بھر کے تمام فوٹو گرافروں کے لیے بالکل مفت پلیٹ فارم فراہم کر دیا تھا۔ آج کے ترقی یافتہ دور میں یہ کام بہت آسان ہو گیا، کیونکہ وہ اپنی کھینچی ہوئی تصویر کو اپ لوڈ کر کے دنیا کے سامنے اپنے فن کا مظاہرہ کر سکتے ہیں۔

موجودہ کیمرہ کی ایجاد سے پہلے ابن الہیثم؛ جو 965 عیسوی میں بصرہ میں پیدا ہوئے، نے ایسے اصول ایجاد کیے جو جدید فوٹو گرافی کی بنیاد بنے۔ انھوں نے ایک کتاب 'کتاب المناظر' لکھی، جس میں روشنی کے حوالے سے اپنے

تجربات پر بات کی اور یہ بھی بتایا کہ روشنی مختلف رنگوں میں کیسے تقسیم ہوتی ہے؟ اور آنکھ کیسے کام کرتی ہے؟ انھوں نے ایک تاریک کمرے کی ایک دیوار میں چھوٹا سا سوراخ بنایا جس سے روشنی کمرے میں داخل ہونے لگی۔ اس طرح دوسری دیوار پر باہر کے منظر کا الٹا عکس دکھائی دینے لگا۔ اس طرح ابن الہیثم نے ابتدائی کیمرہ ایجاد کیا۔ انیسویں صدی عیسوی میں اس کیمرے میں فوٹوگرافک پلیٹوں کا اضافہ کیا گیا۔ تاکہ تصویروں کو محفوظ کیا جاسکے۔ اس کے نتیجے میں کیمرے وجود میں آئے۔ (بحوالہ جے ڈبلیو)۔

لیکن موجودہ کیمرہ جو ہمارے اور آپ کے پاس ہے اس کا موجد فرانس کا 'جوزف نیپس' ہے۔ اس نے 1826 میں کیمرہ ایجاد کیا، اور دنیا کی پہلی تصویر کھینچی اور تصویر کو اپ لوڈ کرنے کے لیے اس نے Bitumen کا استعمال کیا۔ اس تیاری میں اسے آٹھ گھنٹے لگے۔ اسی نے ایک جگہ سے دوسری جگہ لے جانے والا فولڈنگ کیمرہ بھی ایجاد کیا۔ پھر جارج ایسٹ مین نے 1900 میں سستا ترین براؤنی کیمرہ بنایا، جس کی قیمت صرف ایک ڈالر تھی۔ اس سستے کیمرے کی بدولت عام لوگوں کی رسائی کیمرے تک ممکن ہوئی۔ 1975 میں کوڈیک کے انجینئر سٹیون نے پہلا ڈیجیٹل کیمرہ بنایا۔ تب سے بہت سی کمپنیاں نئے نئے کیمرے بنانے کی دوڑ میں شامل ہوگئیں اور انسانی زندگی میں انقلاب آتا گیا۔ (قمر نقیب خان) اس کی وجہ سے جنگلی جانوروں کی تصاویر اور ویڈیوز سامنے آنے لگے اور ڈاکومنٹری فلمیں ہر موضوع پر بننی شروع ہوگئیں۔ اسی کے ساتھ سی سی کیمرے بھی وجود میں آئے اور خفیہ کیمروں کے ذریعے ہر طرح کی تصاویر اور ویڈیو بننے لگے۔

نئی نئی سائنسی ٹیکنالوجی کی بدولت ترقی پر ترقی ہوتی رہی، کیمرے کو چھوٹا سے چھوٹا بنایا جانے لگا، اور اس قدر چھوٹا کردیا گیا کہ میڈیکل سائنس نے اسے انسانی جسم میں داخل کرکے انسانوں کو حیرت زدہ کردیا، انہی کیمروں کے ذریعے ایکسرے وغیرہ کا تصور ممکن ہوسکا اور طبی دنیا میں اس سے بہت کام لیا گیا۔ اب تو اتنے چھوٹے چھوٹے خودکار کیمرے وجود میں آگئے ہیں کہ انسان خود اس سے بے خبر رہ جاتا ہے کہ اس کی ساری حرکتیں کسی کیمرے کی نظر میں قید ہورہی ہیں۔ قمر نقیب خان نے لکھا ہے کہ سنہ 2000 کا نومبر تھا۔ جب کمپنی

کیوسیرا جاپان نے پہلا کیمرے والا موبائل فون لانچ کیا۔ اس وقت لوگوں نے سوچا کہ موبائل فون میں کیمرہ لگانے کا کیا فائدہ ہے؟ پھر ایسا ہوا کہ موبائل کی تمام کمپنیوں نے کیمرہ لگانا شروع کیا۔ اس طرح اب کیمرے کا ہر طرف رواج ہوگیا اور تصاویر وویڈیو بنانا ہر ایک کے لیے نہایت آسان ہوگیا۔

کیمرہ مین؛ چاہے وہ اخبار کے لیے کام کرتے ہوں یا کسی ٹی وی چینل کے لیے، ان کی اہمیت آج کے دور میں بہت زیادہ بڑھ گئی ہے، مختلف ذرائع ابلاغ کی موجودگی میں ٹی وی چینلوں کی آپس میں مقابلہ آرائی کی وجہ سے ان کے فوٹو گرافر ہر جگہ خبر اور فوٹو کے لیے پہنچ جاتے ہیں، بلکہ اگر یہ کہا جائے تو غلط نہ ہوگا کہ وہ کبھی کبھی اپنی جان کو ہتھیلی پر رکھ کر فساد زدہ علاقوں، یا زلزلہ زدہ جگہوں کا دورہ کرتے ہیں اور نازک موقع کی تصاویر کو کیمرے میں قید کر کے حقیقت کو واضح کرنے میں اہم کردار نبھاتے ہیں، حالانکہ کتنے ہی فوٹو گرافروں کی اس موقع پر جان بھی جا چکی ہے، مگر انھوں نے اپنے کو خطرے میں ڈال کر حالات کی سچی تصویر عوام کے سامنے پیش کرنے میں اپنی جان تک کی پرواہ نہیں کی، جس کی بدولت سچائی ابھر کر سامنے آجاتی ہے اور کتنوں کے منہ سے نقلی نقاب اٹھ جاتا ہے اور مجرم سامنے آجاتا ہے۔

کوئی بھی شخص جب کہیں گھومنے پھرنے جاتا ہے، یا مقدس مقامات کی سیر وتفریح کے لیے نکلتا ہے، یا شادی بیاہ کا موقع ہوتا ہے، یا کوئی اور فنکشن ہوتا ہے تو وہ ویڈیو گرافی کے ذریعے ان لمحات کو کیمرہ میں قید کر کے اسے یادگار بنالیتا ہے اور برسوں بعد تک بھی اسے دیکھ دیکھ کر دل بہلاتا ہے، یہ سب کیمرے کا کمال ہے۔

■

Mohammad Obada Qasmi
Baluwa Koorthi
Jafar Poor - 275305
Distt: Mau (UP)

جوابات

پندرہ اگست

مناظر عاشق ہرگانوی

پندرہ اگست آیا، پندرہ اگست آیا
بھارت کی سرزمیں پر خوشیوں کا ابر چھایا
اک جشن کا ہے منظر، دیکھیں جہاں جدھر بھی
ہم بچوں کے دلوں پر رقصاں ہے دیش بھگتی
ایمان ہے ہمارا رکچھا وطن کی اپنے
جھنڈا وطن کا اونچا ہر حال میں رکھیں گے
پھہرائیں چل کے جھنڈا اسکول پر ہم اپنے
دو دن ہی سال میں تو یہ جشن ہیں مناتے
آزادیِ وطن کی خاطر جو مر مٹے تھے
یاد اپنے اُن شہیدوں کی ہم ہیں یوں ہی مناتے
قربانیوں سے ان کی جو کچھ ہے ہم نے پایا
آزاد ہے وطن بھی اونچا ہے اب ترنگا
بے شک یہی ترنگا پہچان ہے ہماری
ہم جسم ہیں اسی کے، یہ جان ہے ہماری
بے شک یہی ترنگا عزت بھی ہے ہماری
بے شک یہی ترنگا طاقت بھی ہے ہماری
بے شک یہی ترنگا اپنا غرور بھی ہے
آنکھوں کا نور بھی ہے دل کا سرور بھی ہے
اسکول میں بھی اپنے ماحول ہے خوشی کا
پیکٹ مٹھائیوں کا اس بار بھاری لگتا
آزادیِ وطن کے نغمے ہیں ہر زباں پر
آئی بہار اپنے ارماں کے گلستاں پر

■

Prof. Manazir Ashique Harganvi
Kohsaar, Bhikanpur
Bhagalpur - 812001 (Bihar)
Mob.: 09430966156

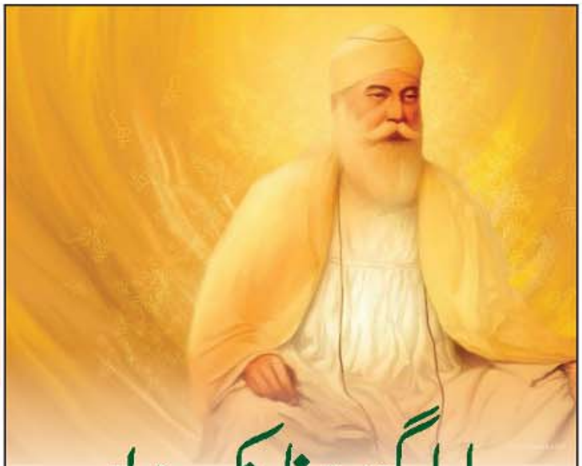

بابا گورونانک دیو

راشد جمال فاروقی

دیش کی پاون ماٹی نے گرونانک جیسا رتن دیا
جس نے پیار، محبت بانٹی، مانوتا کا چلن دیا
اس ہستی کے آجانے سے اندھیارا روپوش ہوا
خاموشی کو زباں ملی تو باطل بھی خاموش ہوا
گنج شکر کی بانی چمکی نیک عمل کی بات چلی
سچائی کا سورج دمکا، لمبی کالی رات ڈھلی
ایسی عظمت ایسی رفعت اللہ اللہ اللہ اللہ
دبے ہوئے بندوں سے نسبت اللہ اللہ اللہ اللہ
ایک نور سے سب جگ اپجا ایسا سبق سکھایا ہے
گورو گرنتھ کے نور نے سارا جگ چمکایا ہے
بابا نانک دیو کی عظمت سب کے دل پر طاری ہے
اس رحمت سے آخر راشد کون ہے جو انکاری ہے

■

Rashid Jamal Farooqui
C-6, Thokar No 8, Shaheen Bagh
Jamia Nagar, Okhla
New Delhi - 110025

گندا بچہ

بڑے بڑے ناخن یہ گندے
کپڑے، بکھرے بال
تم تو اچھے خاصے لگتے
ہو مجنوں کنگال
کوئی اچھا بچہ کیسے
کرے گا تم سے یاری
اس کو بھی تو لگ جائے گی
چھوت کی یہ بیماری

اچھا بچہ

اچھے بچے من کے سچے
بولیں سچے بول
قدرت ان کو علم کے تحفے
دیتی ہے انمول
امی، ابو، آپا، بھیا
کی آنکھوں کے تارے
سچائی پر چلنے والے
بچے سب کو پیارے

■

Anas Masoor Ansari
National Urdu Tehreek, Sakrawal Bazar
Urdu Bazar, Tanda
Ambedkar Nagar - 224190 (UP)

غبارہ

ببلو، ڈبلو سب آجاؤ
غبارہ سے گھر کو سجاؤ
لال رنگ کو پھونکو تم
اور پیلے کو پھونکیں ہم
زیادہ ہوا بھی بھرنا مت
پھوٹ جائے تو ڈرنا مت
اڑاؤ، کھیلو جیسے بھی
دو روپے کا ویسے بھی
لوگوں سے ہی سنا ہے یہ
کہ ربر سے بنا ہے یہ
ضبط کہاں اچھے اچھوں کو
للچاتا ہے سب بچوں کو
بچا کر رکھنا کچھ اخترؔ
کام آتا ہے ہولی پر

■

Shamim Akhtar
5, P.M. Bustee 4th Lane
Shibpur
Howrah - 2 (West Bengal)

جاوید مجیدی

ترانہ یکجہتی

ہندو ہو یا کہ مسلم سکھ ہو کہ یا عیسائی
ہندوستاں ہے اپنا ہم سب ہیں بھائی بھائی

لڑنا جھگڑنا اپنا شیوہ نہیں ہے یارو
مِل جل کے ایک رہنا اپنی یہی کمائی

چاروں طرف ہے چرچا اپنے ہی ملک کا بس
رہتے ہیں ساتھ مل کر جیسے کہ بھائی بھائی

دشمن کو ہم کبھی بھی دیں گے نہ ایسا موقع
ہرگز نہ ہم کریں گے آپس میں ہاتھا پائی

اک باغ کی طرح ہے اپنا یہ دیش بھارت
سب پھول ہی کھلیں ہیں، ہے تو یہی سچائی

دامن میں اس کے لگنے دیں گے نہ داغ یارو
جیسی بھی ہوگی طاقت کرلیں گے ہم لڑائی

اس ملک میں ہی جینا، اس ملک میں ہی مرنا
جانا کہیں نہیں ہے، ہم نے قسم ہے کھائی

بھارت کی سر زمیں سے جاوید ایسی الفت
ہم چاہتے ہیں اس کو جیسے کہ ہم کو مائی

■

Jawaid Majidi
5/1/1, G.C.R.C. Ghat Road
Shibpur
Howrah - 711102 (West Bengal)

رفیق گلاب

پڑھ لکھ کر کچھ بننا ہے

مجھ کو پڑھنا لکھنا ہے
پڑھ لکھ کر کچھ بننا ہے

میں نے دیکھا ہے جو خواب
خواب وہ پورا کرنا ہے
پڑھ لکھ کر کچھ بننا ہے

مشکل جو بھی آجائے
ہنستے ہنستے سہنا ہے
پڑھ لکھ کر کچھ بننا ہے

کرلو دنیا مٹھی میں
سب بچوں سے کہنا ہے
پڑھ لکھ کر کچھ بننا ہے

سچائی کے پرچم کو
ہر دم اونچا رکھنا ہے
پڑھ لکھ کر کچھ بننا ہے

ایک اچھا انسان بنو
سب سے رفیق یہ کہنا ہے
پڑھ لکھ کر کچھ بننا ہے

■

Rafeeque Gulab
3-C, 102, Sarvodaya Park
Kalyan (West)
Thane- 421301 (Maharashtra)

حشمت رضا ساحل

میرے پاپا ہیں

مجھ سے پوچھو کیا کیا میرے پاپا ہیں
میرے پیار کا دریا میرے پاپا ہیں
میری جنت ہے ممی کے قدموں میں
جنت کا دروازہ میرے پاپا ہیں
ہوم ورک میں آج بھی کرنا بھول گیا
اسی لیے تو غصہ میرے پاپا ہیں
اپنے پاپا کے بارے میں کیا بولوں
سونا، چاندی، ہیرا میرے پاپا ہیں
جگمگ جگمگ روشن روشن میرا گھر
سورج، چاند، ستارا میرے پاپا ہیں
ساحلؔ کہتے ہیں ان کو دنیا والے
میری خوشی کی دنیا میرے پاپا ہیں

■

Hashmat Raza Sahil
Hanfia Ghareeb Nawaz
Seewandeeh
Bokaro - (Jharkhand)

بچوں کے پیارے شاعر: ظفر گورکھپوری

پیارے بچو! آج ہم آپ کو ایک ایسے شاعر سے متعارف کرائیں گے جنھوں نے بہت ساری اچھی اچھی غزلیں، نظمیں، گیت اور دوہے لکھے ہیں۔ اس شاعر کا نام ظفر گورکھپوری ہے، اور جو بچوں کے ظفر گورکھپوری کے نام سے بھی مشہور ہیں۔ان کی پیدائش 5 مئی 1935 کو ہوئی۔ حالانکہ ان کی پوری زندگی ممبئی جیسے بڑے شہر میں گزری لیکن گورکھپور کے ایک چھوٹے سے گاؤں بیدولی بابو میں پیدا ہونے کی وجہ سے ظفر گورکھپوری کہلائے۔ ابھی کچھ سال قبل 29 جولائی 2017 کو ممبئی میں ہی ان کا انتقال بھی ہو گیا۔ ظفر گورکھپوری نے بچوں کے لیے بہت سی خوبصورت نظمیں لکھی ہیں۔ان کا ایک پورا مجموعہ کلام 'ناچ ری گڑیا' بچوں کی نظموں پر ہی مشتمل ہے۔

ظفر گورکھپوری نے 36 برس معلّمی کا پیشہ انجام دیتے ہوئے آپ جیسے بچوں کے ساتھ ہی گزارے۔ اس درمیان انھیں بچوں کو سمجھنے اور پرکھنے کا خوب موقع ملا اور اسی تجربے کی روشنی میں انھوں نے بچوں کی تربیت کے لیے اپنے قلم کا سہارا لیا، اور ایسی نظمیں لکھیں جو بچوں کو بااخلاق اور باکردار بننے میں ان کی مدد کریں۔ بچوں کے لیے لکھی گئی یہ نظمیں اتنی اچھی اور کارآمد ہیں کہ انھیں بچوں کے درسی نصاب میں بھی شامل کیا گیا۔

بچو! آپ کی تعلیم و تربیت میں جس طرح والدین اور اساتذہ محنت کرتے ہیں، اسی طرح ایک قلم کار بھی دن رات غور و فکر کر کے بچوں کے لیے ایسا ادب تخلیق کرتا ہے، جس کو پڑھ کے بچے لطف اندوز ہونے کے ساتھ ساتھ اچھی اچھی باتیں بھی سیکھیں۔ ظفر گورکھپوری اپنی ہر نظم کے ذریعے بچوں کو کچھ نہ کچھ پیغام دینا چاہتے ہیں۔ان کی سبھی نظموں کو یہاں آپ کے سامنے پیش کرنا ممکن نہیں ہے، اسی لیے ہم آپ کو ان کی چند نظموں سے متعارف کرائیں گے اور دیکھیں گے کہ ہم

سب کے پیارے شاعر آپ کو کیا پیغام دینا چاہتے ہیں۔ ظفر گورکھپوری بہت ہی آسان لفظوں میں اپنے خیال کو نظم کے ذریعے بچوں تک پہنچاتے ہیں۔ دیکھیے اپنی ایک نظم 'پپو' میں ایک چھوٹے بچے کی فرمانبرداری، صاف صفائی اور اپنا کام خود کرنے کے شوق کو انھوں نے کتنے اچھے انداز میں آسان لفظوں میں پیش کیا ہے، اور 'پپو' کو اچھا بچہ کہہ کر دوسرے بچوں کو صاف صفائی کی اچھی عادت کی طرف کس طرح راغب کیا ہے:

پپو اک چھوٹا سا بچہ کیسا پیارا کتنا اچھا
صابن لائے پانی لائے کپڑے دھوئے روز نہائے
خوب نہائے تن کو مل مل پانی ڈالے چھل چھل چھل چھل

ظفر گورکھپوری نے اپنی نظموں کے بیشتر کردار کے ذریعے آپ جیسے بچوں کو ہی مخاطب کیا ہے۔ اور تربیت کے لیے بہت سی مشہور کہانیوں کو نظم کی شکل میں پیش کیا ہے۔ آپ نے بہت سی کہانیاں اپنی دادی، نانی اور بڑوں کی زبانی سنی ہوں گی۔ یہ کہانیاں سن کے آپ بہت خوش ہوئے ہوں گے۔

ظفر گورکھپوری بھی آپ کو یہی کہانیاں سناتے ہیں لیکن ان کا انداز الگ ہے۔ وہ ان کہانیوں کو منظوم انداز میں آپ کے سامنے پیش کرتے ہیں۔ ان کہانیوں کو آپ جب نظم کی شکل میں بلند آواز سے پڑھیں گے تو یہ کہانیاں اور بھی دلچسپ معلوم ہوں گی۔ دیکھیے پیاسے کوے کی مشہور کہانی ظفر گورکھپوری کس انداز میں آپ کو سناتے ہیں۔

اک کوے کی سنو کہانی ڈھونڈ رہا تھا ہر سو پانی
جلتا موسم گرم مہینہ پیاس کے مارے مشکل جینا
کوا نگری نگری بھٹکا پھر اس نے پایا ایک مٹکا
مٹکے میں تھا تھوڑا پانی آخر کوے نے یہ ٹھانی
میدانوں سے کنکر لا کر ڈال دیا مٹکے کے اندر
پانی فوراً اوپر آیا بے چارا کوا مسکایا
پانی پی کر پیاس بجھالی آہا کیا ترکیب نکالی
کوا اگر یہ کام نہ کرتا
پیاسا رہتا پیاسا مرتا

آپ کو یہ کہانی نظم کی شکل میں پڑھ کر بہت مزا آیا

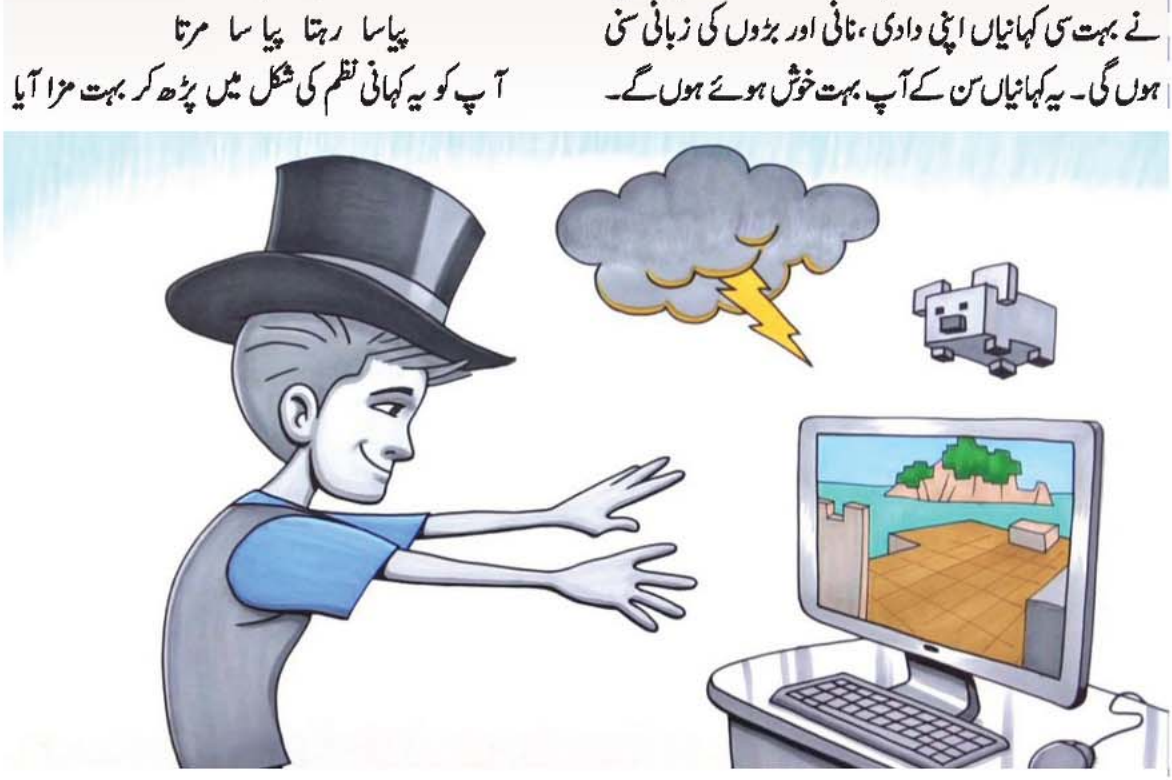

ہوگا۔ یہ کہانی سنا کر ظفر گورکھپوری مشکل حالات سے نپٹنے اور کامیاب ہونے کے لیے عقل کے استعمال کے ساتھ ساتھ محنت کو بھی ضروری قرار دیتے ہیں۔ زندگی میں کامیاب ہونے کے لیے ضروری ہے کہ آپ اپنی عقل کا استعمال صحیح ڈھنگ سے کریں، اور خوب محنت سے دل لگا کر کوئی بھی کام کریں۔ اسی طرح ظفر گورکھپوری 'ہاتھی اور درزی' کی مشہور کہانی نظم کی شکل میں سنا کر آپ کو یہ بتانا چاہتے ہیں کہ کسی کے ساتھ برا نہیں کرنا چاہیے ورنہ آپ کے ساتھ بھی برا ہی ہوگا۔ آپ نے اکثر اپنے بڑوں اور اساتذہ سے یہ سنا ہوگا کہ برے کام کا نتیجہ برا ہی ہوتا ہے۔ اسی لیے بچو! کسی کے ساتھ برا سلوک نہیں کرنا چاہیے۔ پھر چاہے وہ انسان ہوں یا جانور سب ہمارے اچھے سلوک کے محتاج ہوتے ہیں۔ آیئے ہم آپ کو یہ کہانی بھی ظفر گورکھپوری کی زبانی سناتے ہیں۔

ایک تھا درزی ایک تھا ہاتھی ۔۔۔ آپس میں تھے دونوں ساتھی
بڑے پرانے یار تھے دونوں ۔۔۔ اور بڑے دلدار تھے دونوں
ہاتھی درزی کے گھر آتا ۔۔۔ درزی روٹی اسے کھلاتا
اک دن درزی کو کیا سوجھی ۔۔۔ سونڈ میں اس نے سوئی چبھودی
ہاتھی رونے لگا بے چارا ۔۔۔ واپس لوٹا بھوک کا مارا
پھر اس کو بھی غصہ آیا ۔۔۔ سونڈ میں بھر کر کیچڑ لایا
درزی کی دوکان میں پھینکا ۔۔۔ کچھ اس کے اوپر بھی ڈالا
سارے کپڑے ہوگئے گندے ۔۔۔ اے درزی اللہ کے بندے
ہاتھی سے اب شکوہ کیسا
سنا ہے نا جیسے کو تیسا

بچو! ظفر گورکھپوری کی بیشتر نظمیں ہم سب کو مل جل کر رہنے اور ایک دوسرے کے دکھ درد میں شریک ہونے کا درس دیتی ہیں۔ سبھی انسان برابر ہیں، چاہے وہ کسی بھی مذہب، ملک یا قوم کے ہوں۔ ہمیں سبھی انسانوں کو عزت کی نگاہ سے دیکھنا چاہیے۔ کیونکہ اسی سے ہمارے معاشرے کے اندر امن سکون پیدا ہوسکتا ہے اور ہم سب مل کر اچھی زندگی گزار سکتے ہیں۔ ظفر گورکھپوری کی ایک نظم 'پیار کا رشتہ' کا ایک بند پڑھیے۔

روسی ہو یا امریکی ہو یا چینی جاپانی
ہمیں تو وہ رشتہ پیارا جو رشتہ انسانی
شنکر میری جیکب بانو ہم سب بھائی
بہن
کہو جی ہے نا؟

اسی طرح ان کی بہت سی دوسری نظمیں ہمیں انسانی عظمت اور قومی یکجہتی کا سبق دیتی ہیں۔ خاص طور سے 'شنکر خان' اور 'کبیر کا کرگھا' جیسی نظمیں ہمیں اتحاد اور مذہبی رواداری کا سبق دیتی ہیں۔ 'کبیر کا کرگھا' ایسی ہی ایک نظم ہے، جو ہمیں بتاتی ہے کہ رامو، برکت، رجنی، میرا، سبھی لوگ برابر ہیں۔ صرف ان کے نام اور پیشے مختلف ہیں۔ پیشے کے اعتبار سے کوئی انسان بڑا اور چھوٹا نہیں ہوتا، بلکہ بڑا انسان وہ ہے جو محنت اور ایمانداری سے اپنا کام دل لگا کر کرتا ہے۔ دیکھیے اس بات کو ظفر گورکھپوری اپنی پیاری نظم 'کبیر کا کرگھا' میں ہمیں کس طرح بتاتے ہیں۔

سچی خدمت پاک وطیرہ ۔۔۔ لکڑی ہو کر لگتا ہیرا
رامو برکت رجنی میرا ۔۔۔ جس سے کرتی پیار بشیرا
تیرا کرگھا خوب کبیرا
کرگھے میں سو رنگ کے دھاگے ۔۔۔ ایکتا میں انسان سے آگے
کوئی کسی سے دور نہ بھاگے ۔۔۔ میل یہ کتنا سندر لاگے
ایک ہے سب کا دکھ اور پیرا
تیرا کرگھا خوب کبیرا

ظفر گورکھپوری اپنی نظموں میں جدید دور کی ٹکنالوجی سے بھی آپ کو متعارف کراتے ہیں۔ سائنس اور ٹکنالوجی کے اس دور میں بچے تصوراتی دنیا میں نئی نئی چیزیں دیکھتے ہیں انھیں چیزوں میں خلاؤں کی سیر میں شامل ہے۔ بچے نہ صرف ان چیزوں کو پڑھتے ہیں بلکہ تصوراتی دنیا میں ان کی سیر بھی کرنے لگتے ہیں۔ دیکھیے ظفر گورکھپوری نے اپنی ایک نظم 'خلاباز بچہ' میں آپ کو کس طرح خلائی ریل کے ڈبے میں بٹھا کر آسمانوں اور خلاؤں کی سیر کراتے ہیں:

بتاؤں کیا کہ ان آنکھوں سے امی
مناظر کیسے کیسے آئیں جائیں
سفر کیسا سہانا ہے خلا کا
مجھے یہ کیمرے کیا کیا دکھائیں
فرانس امریکہ لنکا چین برما
دکھائی دے رہے ہیں سب یہاں سے

بچو! آج کے اس مشینی دور میں موبائل اور انٹرنیٹ نے لوگوں کے ذہن و دماغ پر بہت برا اثر ڈالا ہے۔ اور خاص بچوں کے لیے ان چیزوں کا زیادہ استعمال مضر اور خطرناک ہے۔ ہمیں اپنا زیادہ تر وقت موبائل کی تخیلی دنیا کے بجائے کتابوں اور گھر والوں کے ساتھ گزارنا چاہیے۔ کتاب ہماری ایک بہترین دوست ہوسکتی ہے جو ہمیں زندگی میں کامیاب ہونے کا راستہ دکھا سکتی ہے اور ایک رہبر کی طرح ہماری رہنمائی بھی کرسکتی ہے۔ ظفر گورکھپوری بھی اپنی ایک نظم 'ننھی سی کتاب' کے ذریعے اسی بات کو کتنے پیارے انداز میں آپ کو سمجھاتے ہیں۔ اس نظم کے ایک بند کو پڑھیے اور دیکھیے کہ کتابوں کے ساتھ وقت گزار کر آپ کو کتاب کی شکل میں ایک نیا دوست ملے گا، جو قدم قدم پر آپ کو پیاری پیاری باتیں بتائے گا۔

تیرا کوئی ہاتھ نہیں پھر بھی مجھ کو راہ دکھائے
تیرا کوئی پاؤں نہیں پھر بھی تو چلنا سکھلائے
تجھ جیسا رہبر نایاب
اے میری ننھی سی کتاب

بچو! آج ان باتوں سے آپ کو سمجھ میں آ گیا ہوگا کہ ظفر گورکھپوری بچوں کے کتنے اچھے شاعر ہیں۔ جو اپنی پیاری نظموں کے ذریعے ہمیں اچھی اچھی باتیں بتاتے ہیں۔ ظفر گورکھپوری کی یہ نظمیں بچوں کے لیے ایک حسین تحفہ ہیں۔ جن سے سبق حاصل کر کے بچے اچھے اور پیارے انسان بن سکتے ہیں۔

■

Nazir Anwar
Research Scholar, Dept. of Urdu
Jamia Millia Islamia
New Delhi - 110025
Mob.: 7417463821

جوابات

(14) پینڈنٹ بنایئے:

تشدید ّ زیر ِ زبر َ
پیش ُ جزم ْ
مد ٓ

■

مآخذ: اردو زبان کا جادو (پارٹ 1)، ادارہ، سنہ اشاعت: تیسری طباعت 2009، ناشر: قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، نئی دہلی

شکیل جاوید

انوکھی ترکیب

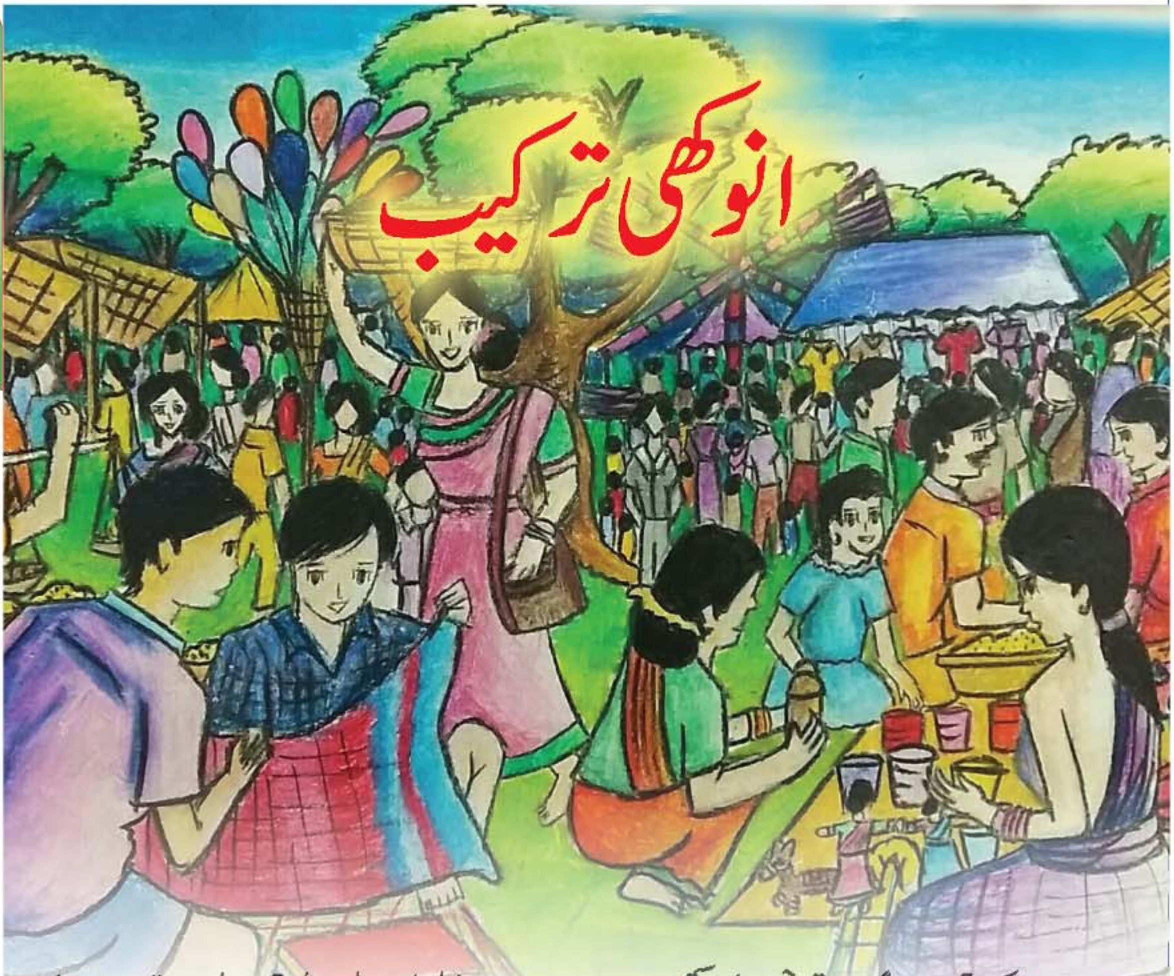

پورن پور ایک چھوٹا سا گاؤں تھا جس میں سبھی دھرم، ذات، برادری کے لوگ رہتے تھے، یہاں کی ایکتا اور آپسی بھائی چارہ دور دور تک مشہور تھا، عید، دیوالی اور ہولی سب مل کر مناتے تھے۔ اس کے ساتھ ساتھ یہاں کی دو چیزیں اور مشہور ہیں: (1) جھیل، جس میں ماہ اکتوبر اور نومبر میں ہزاروں میل کی مسافت طے کر کے مرغابیاں اور قازیں اس جھیل میں آکر اترتی ہیں جو سائبیریا اور دیگر علاقوں سے یہاں خوراک کی تلاش میں اور خود کو محفوظ رکھنے کے لیے آتی ہیں۔ دوسرے یہاں کے نیزے کے میلے کو جو ہولی کے بعد آنے والے منگل کو لگتا ہے۔ دیکھنے کے لیے دور دور کے گاؤں سے لوگ آتے ہیں۔ ان دنوں پورن پور کے تقریباً ہر گھر میں مہمانوں کا ہجوم ہوتا ہے۔ میلے میں ہنڈولے، جھولے ہوتے ہیں اور بچوں کے کھیل کھلونے فروخت ہوتے ہیں۔ دوسرے دن زنانہ میلہ ہوتا ہے جسے وہاں کی زبان میں 'باسی میلہ' کہتے ہیں۔ رنگ برنگی پوشاکوں میں عورتیں، مرد، بچے پیدل اور سواریوں میں بیٹھے میلے کی طرف چلے آتے ہیں۔

اسی گاؤں میں کشوری لال نام کا ایک لڑکا رہتا تھا، جس کا خاندانی پیشہ حجامت بنانا تھا؛ لیکن اسے اپنے بچپن سے ہی اس کام سے نہ جانے کیوں نفرت تھی، وہ خود کو بدلنے کے لیے شہر جا کر تعلیم حاصل کرنے لگا، خالی وقت میں ایک ہُنر بھی سیکھنے لگا تھا یعنی درزی کا کام۔ جب تک اس نے ہائی اسکول کا امتحان پاس کیا وہ درزی کا پورا کام جان چکا تھا۔ ابھی آگے

پڑھنا چاہتا تھا؛ لیکن گھریلو حالات اچھے نہ ہونے کی وجہ سے وہ آگے تو نہ پڑھ سکا؛ پر مایوس نہ ہوا۔ اپنی ماں سے مشورہ کر کے اس نے اپنے ہی گاؤں اور اپنے ہی گھر میں درزی کا کام شروع کر دیا۔ پورے گاؤں میں کوئی بھی شخص یہ کام نہیں جانتا تھا۔ وہ نئے ڈیزائن اور نئے فیشن کے کپڑے سینے لگا جو نئی نسل نے پسند کیے۔

وقت پنکھ لگا کر اُڑنے لگا......

کشوری لال کو اپنے باپ دادا سے جو گھر ملا وہ کچا تھا اور اس پر چھپر پڑا ہوا تھا جو اس کی محنت اور لگن سے آج ایک پختہ مکان کی شکل میں کھڑا ہوا تھا۔ کشوری لال اب جوان ہو چکا تھا اس کے لیے رشتے آنے لگے، ماں نے ایک اچھا سا رشتہ پسند کر کے اس کی شادی کر دی۔ وہ اچھی قسمت لے کر پیدا ہوا تھا، دو سال کے اندر اندر وہ دو بچوں کا باپ بن گیا۔ بچے جب بڑے ہوئے تو اپنے گاؤں کی پاٹھ شالہ میں انہیں داخل کرا دیا۔

کشوری لال کی پتنی روپا اچھے سُبھاؤ کی ملنسار عورت تھی، اس کے پاس ہر روز گاؤں کی کوئی نہ کوئی عورت بیٹھی اِدھر اُدھر کی باتیں کرتی رہتی تھی، جس دن اس کے گھر پر کوئی عورت نہ آتی تو روپا ان کی خیر خبر لینے کے لیے خود ان کے گھر چلی جاتی۔ اکثر روپا ان عورتوں سے باتیں کرتے ہوئے اس طرح کھو جاتی کہ اسے کھانا بنانے میں دیر ہو جاتی، بچے اسکول سے آتے ہی کھانا مانگتے۔ دوسری طرف کشوری لال کھانے کے لیے کہتا رہتا۔

شروع شروع میں تو کشوری لال نے اس طرف دھیان ہی نہ دیا۔ ایک دن اس نے سوچا اس سے پہلے کہ پانی سر سے اونچا ہو، اس کا رُخ بدل دو۔

بڑے غور و فکر کے بعد ایک دن کشوری لال نے روپا کو اپنے پاس بٹھا کر اسے کاج بنانے اور بٹن لگانے بتائے، کئی دن کی کوشش کے بعد روپا کاج بنانے اور بٹن لگانے لگی اور پھر آہستہ آہستہ اس نے مشین چلانی بھی سیکھ لی۔ ان کے گھر جب کوئی عورت آتی اور اسے کام میں لگا ہوا دیکھ کر تھوڑی دیر بیٹھ کر واپس چلی جاتی۔

روپا کو صاف ستھرا کام کرتے ہوئے دیکھ کر کشوری لال کو خوشی ہوتی۔ اس کا تیر نشانے پر لگا تھا۔ وہ اس کے بارے میں سوچتا رہتا.....

اور پھر ایک دن وہ شہر چلا گیا۔ شام کو جب وہ شہر سے واپس ہوا تو اس کے کاندھے پر سلائی مشین رکھی ہوئی تھی۔ گھر میں داخل ہو کر اس نے آہستہ سے مشین نیچے اُتاری، دونوں بچے، ماں اور روپا اس کے پاس آ گئے، وہ پسینے میں نہایا ہوا تھا اور روپا اس کے لیے پانی کا گلاس لیے ہوئے کھڑی تھی۔ اس نے پانی پی کر خالی گلاس روپا کو لوٹا دیا، اس نے پوچھا "یہ مشین کس کے لیے لائے ہو؟"

کشوری لال نے اس کی ناک پکڑ کر جواب دیا: "اپنی ماسٹرنی کے لیے۔" روپا مسکرا دی۔

کشوری لال کٹنگ کر کے روپا کو دے دیتا ہے اور وہ انھیں سیتی رہتی ہے۔ اس کے پاس اب بھی عورتوں کی بھیڑ لگی رہتی ہے جو اس سے اپنے اور اپنے بچوں کے لیے کپڑے سلوانے آتی ہیں۔

■

Shakeel Javed
Bazar Shifaat
Puta
Amroha - (UP)
Mob.: 9639987600

ویشال تائیڑے مترجم: خواجہ معین الدین

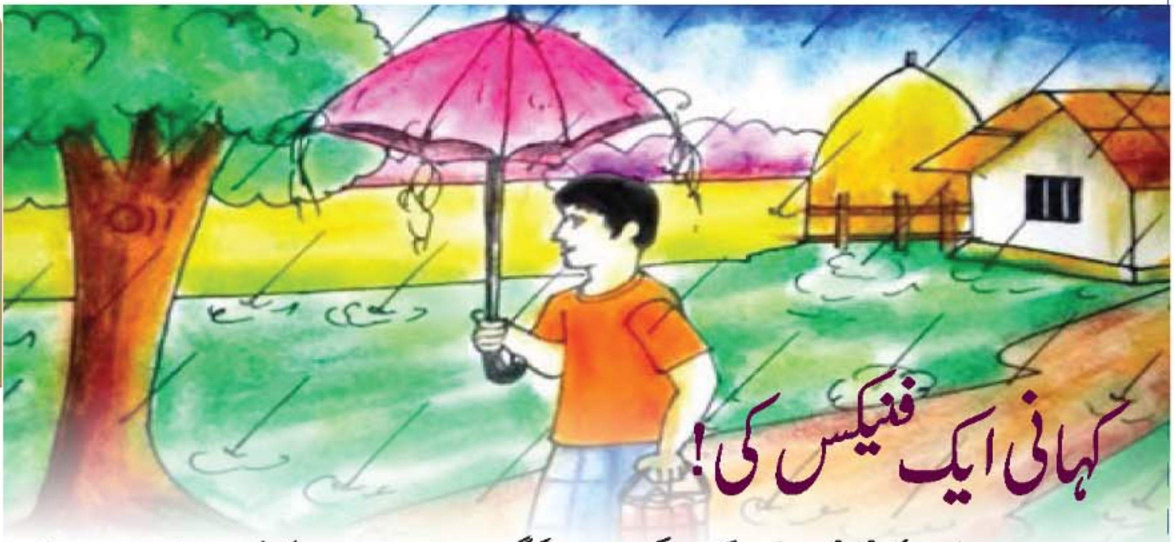

کہانی ایک فنیکس کی!

اس دن رات بھر بارش ہوئی۔ صبح صبح بارش کا کچھ زور کم ہوا، لیکن رم جھم جاری تھی۔ چاروں طرف پانی ہی پانی! گویا سارا شہر کسی ایک بڑے تالاب میں بدل گیا تھا۔ راستے پانی میں غائب ہوگئے تھے۔ ایک بھی گاڑی راستے سے جاتی ہوئی نظر نہیں آرہی تھی۔ بارش سے پہلے زوردار طوفان بھی آچکا تھا۔ اس طوفان نے بھی بڑی تباہی مچائی تھی۔ راستے کے دونوں جانب کئی جھونپڑیاں تھیں۔ طوفان کی زد میں ان جھونپڑیوں کی چھتیں ایک جھٹکے میں اُڑ چکی تھیں اور کچھ تو زمین دوز ہوگئی تھیں۔ بارش کی وجہ سے سارے شہر کے حالات انتہائی خراب ہوچکے تھے۔

فُٹ پاتھ کی اِن جھونپڑیوں سے سب سے آخر کی جھونپڑی میں سورج بیٹھا ہوا تھا۔ سردی سے وہ بالکل جم گیا تھا۔ اس طوفان اور بارش سے قبل یہاں ایک چھوٹی سی چائے کی دُکان ہوا کرتی تھی۔ دادا بھائی ٹی سینٹر۔ نیم کے ایک بڑے سے پیڑ کے نیچے ایک لکڑی کی میز پر چھوٹا سا اسٹو، شکر، چائے پتّی، دودھ کے برتن اور چند کانچ کے گلاس رکھے ہوئے ہوا کرتے تھے۔ بس یہ ہی کل اس دُکان کا ساز وسامان تھا۔ مگر اب کچھ نہیں بچا تھا۔ پیڑ کی ایک شاخ ٹوٹی اور سیدھے اس میز پر گر گئی۔ سارا سامان سورج کی نظروں کے سامنے بہہ گیا۔ کانچ کے گلاس ٹوٹ گئے۔ سورج ان ساری چیزوں کی طرف بس حسرت بھری نگاہوں سے دیکھتا رہا۔

پچھلے کچھ دنوں سے دادا بھائی بیمار تھے۔ اس لیے ساری ذمّہ داری بارہ سالہ سورج پر ہی تھی۔ ایک ٹی شرٹ اور پینٹ یہ ہی اس کا روز کا لباس تھا۔

دیکھا جائے تو سورج دادا بھائی کا کچھ نہیں لگتا تھا۔ اسے بھی پتہ نہیں تھا کہ اس کے ماں باپ کون ہیں؟ پانچ سال قبل وہ دادا بھائی کو ریلوے اسٹیشن پر ملا تھا۔ بے چارہ اکیلا روتا ہوا کھڑا تھا۔ دادا بھائی کو اس پر ترس آیا اور وہ اسے اپنے گھر لے آئے۔ اس دن سے سورج دادا بھائی کی مدد کیا کرتا تھا اور رات ہونے پر اسی جگہ سو جایا کرتا تھا۔ دادا بھائی نے ہی اس کا نام سورج رکھا تھا۔ دادا بھائی اسے کھانے پینے کے علاوہ ماہانہ بیس روپے بھی دیا کرتے تھے۔ سورج ان روپیوں کو کبھی خرچ نہیں کرتا۔ بس ایک ڈِبے میں انہیں رکھتا۔ اب وہ کل چار سو روپے ہوچکے تھے۔

سورج چائے کی اس دکان پر کام تو کرتا تھا مگر کبھی بھی اس کا دل اس کام میں نہیں لگتا تھا۔ اسکول آنے جانے والے

بچوں کو وہ حسرت بھری نگاہوں سے دیکھا کرتا۔ ان بچّوں کو دیکھ کر اسے حسرت ہوتی کہ وہ بھی اسکول جائے۔

ایک دن اس نے دادا بھائی سے اس بارے میں کہا بھی، 'دادا بھائی مجھے بھی اسکول جانا ہے۔'

سورج کی اس بات پر دادا بھائی کو ہنسی آ گئی، ''اسکول جا کر کیا کرو گے بیٹا!'' اپنے جیسے غریبوں کو تو بس یہی کام کرتے رہنا چاہیے۔

اس پر سورج نے کچھ نہیں کہا۔ لیکن اسے بہت دُکھ ہوا۔ اس کے دل سے اسکول جانے اور تعلیم حاصل کرنے کی خواہش کبھی بھی ختم نہیں ہوئی۔

ایک دن اُسے پتہ چلا کہ اس کی طرح ہی کام کرنے والے بچوں کے لیے اسی بستی میں ایک اسکول شروع کیا گیا ہے۔ جو شام میں چلتا ہے۔ اسے رات اسکول بھی کہتے ہیں۔ اب تعلیم حاصل کرنے کی اس کی خواہش زور پکڑنے لگی۔

دادا بھائی کی اجازت سے اس نے اسکول میں داخلہ لیا۔ رات کا اسکول تھا۔ اس لیے دادا بھائی کو بھی کوئی حرج نہیں تھا۔ انہوں نے بھی فوراً اجازت دے دی۔

پہلے دن اسکول جا کر سورج کو بڑی خوشی ہوئی۔ نئی کتابوں کی خوشبو اسے بھا گئی۔ استاد کی باتوں پر اس نے کان دھرے۔ دن بھر چائے کی دُکان پر کام اور رات میں اسکول۔ اس طرح سورج کی نئی زندگی کا آغاز ہو چکا تھا۔ وہ بہت خوش تھا۔ اسے یوں لگتا کہ پڑھ لکھ کر کسی دفتر میں ملازم ہو جائے گا۔ راستے کے اس پار کے آفس میں اسے ہر روز چائے جو لے جانی پڑتی تھی۔ وہاں کے افسر کو دیکھ کر اسے بھی لگتا کہ پڑھ لکھ کر میں بھی اسی طرح کوئی افسر بن جاؤں گا۔ اسکول جانے سے اس کے ان خوابوں کو توانائی مل رہی تھی۔

لیکن آج کی بارش نے اس کے سارے خواب چکنا چور کر دیے تھے۔ اس کی جھونپڑی بھی برباد ہو گئی تھی، دیوار کے سہارے وہ بس اپنے آپ کو بارش سے بچا رہا تھا۔ اس نے اپنے پاؤں اپنے سینے سے مضبوطی سے دبائے ہوئے تھے۔ آنکھوں سے مسلسل آنسو جاری تھے۔ اس کا بستہ، کتابیں بارش کے پانی کی نذر ہو چکے تھے۔ ساری کتابیں گیلی ہو چکی تھیں۔ البتہ اس کی لوہے کی پیٹی محفوظ تھی۔

سورج نے راستے پر نظر دوڑائی۔ اب بھی راستے پر پانی بہہ رہا تھا۔ لوگ راستوں پر کھڑے بارش اور طوفان سے ہونے والے نقصان کے بارے میں باتیں کر رہے تھے۔ ہر کسی کا کچھ نہ کچھ نقصان ضرور ہوا تھا۔ سینہ پیٹ پیٹ کر لوگ اس قدرتی آفت کو کوس رہے تھے۔ 'اس طوفان اور بارش نے تو ہمیں برباد کر دیا!' لوگ آپس میں باتیں کر رہے تھے۔ عورتیں اور بچے بلک بلک کر رو رہے تھے۔ سورج بھی مایوس ہو کر یہ ساری باتیں سن رہا تھا۔

یوں ہی اس کی نظر نیم کے پیڑ پر گئی۔ پیڑ بھی بری طرح متاثر ہوا تھا۔ اس پیڑ کی ایک شاخ پر کبوتر کا ایک گھونسلہ ہوا کرتا تھا۔ دن بھر وہاں کبوتروں کی چہچہاہٹ ہوا کرتی تھی۔ کام سے فرصت ملنے پر سورج ان کبوتروں کا کھیل، جھگڑا دیکھا کرتا تھا۔ اسے بڑا مزہ آتا تھا۔ پرندوں کی چہچہاہٹ سے ماحول بھی خوشگوار ہو جاتا تھا۔ ان کبوتروں سے گویا سورج کی دوستی ہو گئی تھی۔

لیکن اب اس پیڑ کی بھی حالت کیا سے کیا ہو گئی تھی۔ وہاں ایک بھی کبوتر نہیں تھا۔ نہ ہی کوئی گھونسلہ تھا۔ یہ دیکھ کر سورج کو مزید دُکھ ہوا۔

اسی اثنا میں اس نے دیکھا کہ ایک ننھا کبوتر دھیرے سے اُڑ کر نیم کے پیڑ پر آ بیٹھا۔ اس کی چونچ میں ایک تنکا تھا۔ اس نے اس پیڑ کے چکّر لگائے اور ایک مضبوط ٹہنی پا کر اس پر

وہ تنکا رکھا۔تھوڑی دیر بعد ایک اور کبوتر آیا اس کی چونچ میں بھی کچھ تنکے تھے،اس نے بھی وہ تنکے اسی ٹہنی پر رکھے اور اُڑ گیا۔ اس طرح یکے بعد دیگرے کبوتر آتے جاتے اور گھاس پھوس، تنکے، جوڑتے جاتے۔

سورج نے اپنے استاد سے ایک فینکس پرندے کی کہانی سن رکھی تھی۔ یہ پرندہ خاک سے اُڑ کر اپنے پر پھڑ پھڑا کر پھر ایک بلند ترین پرواز آسمان کی جانب لیتا ہے۔اس پرندے کی زندگی کے تئیں محبت،زندہ رہنے کی شدید خواہش اور ہمت کے بارے میں جان کر وہ کافی جذباتی ہو گیا تھا۔سورج کو یہ کبوتر بھی فینکس پرندے کی طرح ہی لگ رہے تھے۔

ان کبوتروں کو دیکھ کر سورج کے دل کا بوجھ بھی کچھ ہلکا ہونے لگا۔قدرتی آفت کے بعد بھی یہ کبوتر اپنی زندگی کی نئی شروعات کرنے کے لیے کوشاں تھے۔انہوں نے کبھی قدرت کو نہیں کوسا، نہ ہی اپنے نصیب کو دُہائی دی اور ہم لوگ ذرا سی مصیبت سے گھبرا جاتے ہیں۔

اس خیال کے آتے ہی سورج کے جسم میں نئی توانائی آگئی۔ دل ہی دل میں مضبوط ارادہ کر کے وہ کھڑا ہو گیا۔اپنے آنسو صاف کیے اور اس چھوٹی سی لوہے کی پیٹی کا رُخ کیا۔پیٹی کھولی، اس میں رکھے ہوئے روپے دیکھے، ان پر بارش کا کوئی اثر نہیں تھا۔اس کی جان میں جان آگئی۔اس نے وہ پیسے لیے اور چائے کی دُکان کا سامان اور کتابیں خریدنے کے لیے بازار کی طرف چل پڑا۔

■

Khaja Moinoddin
Paradeshik Vidye Pradhikaran
Aurangabad - 431001
Mob.: 9404466331

قلمکاروں سے گذارش

'بچوں کی دنیا' بہت مقبول رسالہ ہے۔اس میں عام فہم معلوماتی مضامین، کہانیاں اور نظمیں شائع کی جاتی ہیں۔بچوں کی ذہنی سطح کا بھی خاص طور پر خیال رکھا جاتا ہے۔ بعض مضامین میں بہت ثقیل اور اَدق الفاظ ہوتے ہیں۔اس سے گریز کیا جائے تو بہتر ہوگا۔

مضمون نگاروں سے گذارش ہے کہ 'بچوں کی دنیا' کے لیے جو تخلیقات ارسال کریں وہ کسی اور رسالہ/اخبار کو نہ بھیجیں اور مضمون کے ساتھ اپنا مکمل پتہ مع پن کوڈ، موبائل نمبر اور اپنی تازہ ترین تصویر ضرور ارسال کریں اور اپنا مختصر تعارف (بایوڈاٹا) بھی بھیجنے کی زحمت فرمائیں۔

سلامت رہو

اُفق کی بدمعاشی سے اسکول کے سبھی بچے پریشان رہتے تھے۔ اساتذہ بھی اس سے ناخوش تھے۔ کوئی اُسے پسند نہیں کرتا تھا۔ اِس بات کو اُفق اچھی طرح محسوس کرتا تھا۔ پھر بھی اُسے کسی بات کی پروا نہیں تھی۔ اسکول میں قدم رکھتے ہی اس کا دماغ خرافات میں اس طرح مشغول ہو جاتا، جیسے اسکول درس گاہ نہیں، بلکہ اکھاڑا ہو۔

اپنے سے کمزور بچوں پر دھونس جمانا، اور سینئر کی عزت نہ کرنا، اُفق کی جیسے عادت میں شامل تھا۔ یہی نہیں، بچوں کی کاپی، پینسل اور پیسے چُرانے کے علاوہ لنچ باکس صفاچٹ کر جانے جیسی شرمناک حرکتوں کے لیے بھی وہ پورے اسکول میں بدنام تھا۔ پڑھائی میں اُس کا دل بالکل نہیں لگتا تھا۔ اُسے جب دیکھو، کسی نہ کسی خرافات میں مشغول رہتا۔

اُفق کی سیٹ کے بغل میں شبیب نام کا ایک بچہ بیٹھا کرتا تھا۔ وہ پڑھنے لکھنے میں تیز ہونے کے علاوہ نہایت شریف اور محنتی تھا۔ مگر اُفق اُس کی قدر نہیں کرتا تھا۔ بلکہ آئے دن اُسے تنگ کرتا رہتا تھا۔

ایک روز ایسا ہوا کہ شبیب کے بستے سے کسی نے اسکول فیس کی رقم غائب کر دی۔ سبھی بچوں کے بستوں کی تلاشی لی گئی۔ اس کام میں کلاس مانیٹر کے علاوہ اُفق نے بھی بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ لیکن نتیجہ صِفر رہا۔

''پیسہ کس نے چرایا ہوگا، اگر تم کو کسی پر شک ہو تو بلا خوف ہمیں بتاؤ۔'' ایک ٹیچر نے شبیب سے پوچھا، تو شبیب

رندھے لہجے میں بولا، ''مجھے کسی پر شک نہیں ہے۔ جو ہونا تھا، سو ہو گیا۔ جانے دیجیے سر.....!''

''لیکن تم سے ایک نادانی ہو گئی شبیب۔''

شبیب آستین سے اپنے آنسو پونچھتے ہوئے ٹیچر کو سوالیہ نظر سے تکنے لگا۔

''اسکول میں داخل ہوتے ہی سب سے پہلے تمھیں فیس جمع کر دینی چاہیے تھی۔ اس کام کے لیے تم سے ذرا دیر ہو بھی جاتی تو کوئی تمھیں نہیں ٹوکتا۔''

''سوری سر۔ آئندہ سے خیال رکھوں گا۔'' شبیب نے رُندھے لہجے میں یقین دلایا تو ٹیچر اُس کی ادا سے متاثر ہو کر اُس کے سر پر ہاتھ پھیرنے لگے۔

دوسرے روز کلاس لگتے ہی ٹیچر نے افق کو پیچھے بیٹھنے کا حکم دیا۔ اس پر شبیب گزارش کے لہجے میں کہنے لگا کہ اُفق کو اُس کے بغل میں ہی بیٹھنے دیا جائے، اُسے کوئی اعتراض نہیں۔ اِس پر کلاس کے سبھی بچے دنگ رہ گئے۔ خود افق کو شبیب کے اس برتاؤ پر حیرت ہونے لگی۔

گزرتے وقت کے ساتھ شبیب نے اُفق سے دوستی نبھانی شروع کر دی۔ اُفق کترانا چاہتا تو شبیب اُسے اپنے سے دور نہیں ہونے دیتا۔ اسکول کے بچے شبیب کو بہت سمجھاتے کہ وہ اُفق سے بالکل الگ تھگ رہا کرے، لیکن شبیب صرف اپنے ضمیر کی آواز پر عمل کرتا۔

اسکول کے زیادہ تر بچے یہ سوچ کر فکر مند رہنے لگے تھے کہ وہ اُفق جیسے بدمعاش لڑکے سے دوستی بڑھا کر اپنی اچھی عادت اور مستقبل سے کھلواڑ کر رہا ہے۔ یہ اور بات تھی کہ شبیب کی خوش اخلاقی میں کسی طرح کی کوئی گراوٹ نہیں آئی تھی۔ وہ ہر کسی سے پہلے کی ہی طرح تمیز اور محبت سے پیش آتا تھا۔

ایک روز اُفق نے شبیب سے پوچھا، ''میں اس اسکول کا سب سے بدنام طالبِ علم ہوں۔ سبھی مجھ سے پریشان رہتے ہیں۔ میں نے تمھیں بھی کم نہیں ستایا۔ پھر بھی تم مجھ سے اتنی محبت سے پیش آتے ہو، ایسا کیوں؟''

''میں اچھا کام کرنے میں کسی کی پروا نہیں کرتا۔'' شبیب بولا۔

''میں تمھاری طرح نیک اور سمجھدار نہیں ہوں ڈیر شبیب۔''

''کون کہتا ہے کہ تم سمجھدار نہیں ہو؟... دیکھو تم کمتری کا احساس دل میں پالنے کے بجائے روشن خیال بنو دوست۔ پھر دیکھنا، سب ٹھیک ہو جائے گا اور تم سب کے پیارے بن جاؤ گے۔''

''سچ....؟'' اُفق کو جیسے یقین نہیں ہو رہا تھا۔

''تم کو میرے مشورے پر بھروسہ کرنے کے علاوہ عمل بھی کرنا چاہیے اُفق۔''

''تم کتنے اچھے ہو شبیب۔ میں تم سے ایک بات کہنے کے لیے بہت پریشان ہوں، لیکن ڈرتا ہوں، کہیں تم ناراض نہ ہو جاؤ۔''

''میں بُرا نہیں مانوں گا۔ تم بے جھجک اپنا دل ہلکا کرو۔''

''وہ کیا ہے کہ فیس کی رقم میں نے چُرائی تھی دوست۔''

''مجھے پتا ہے۔''

''کیا...؟'' اُفق صرف اتنا ہی بول سکا، جبکہ شبیب کہہ رہا تھا، ''لنچ ٹائم کی گھنٹی لگتے ہی سبھی بچے ہاتھ دھونے کے لیے کلاس سے باہر نکل گئے تھے۔ صرف تم کلاس روم سے نہیں نکلے تھے۔ میں دوسرے کمرے کی کھڑکی سے چھپ کر صاف دیکھ رہا تھا کہ تم میرے بستے سے پیسے نکال رہے ہو۔''

''پھر بھی تم خاموش رہے.... ایسا کیوں دوست....؟''

شدتِ جذبات سے اُفق کی آواز بھرا گئی تھی۔

''کسی کو ذلیل کرنے سے نفرت اور گمراہی بڑھتی ہے۔

آخر عزت کسے پیاری نہیں۔"

"بھئی تمھاری اعلیٰ ظرفی اور محبت کا جواب نہیں۔"

"تم بھی تو سمجھدار ہو۔ تبھی تو میری باتوں کو غور سے سننے کے علاوہ میری حوصلہ افزائی بھی کر رہے ہو۔"

شبیب کی باتوں نے اُفق کے سوئے ہوئے جذبات و احساسات کو جگا دیا تھا۔ اس واقعے کے بعد اُفق کے فکر و عمل میں تیزی سے خوش گوار تبدیلی رونما ہونے لگی۔ اب وہ پہلے کی طرح کسی کو پریشان نہیں کرتا۔ ہر کسی سے تمیز سے پیش آنے لگا تھا۔ جانے کہاں چلی گئی تھی اُس کی بدمعاشی اور شرارت۔

وہ پڑھائی کچھ اتنی محنت اور لگن سے کرنے لگا کہ سالانہ امتحان میں اُس نے سب کو حیران کر دیا۔ تقسیمِ رزلٹ کے جلسے میں اُفق کو اسکول کی کمیٹی کے علاوہ بہت سارے طلبہ نے بھی انعام و اعزاز سے نوازا۔ اسٹیج پر اساتذۂ کرام کے ساتھ فوٹو کھنچوانا اور تمام طلبہ و طالبات کا تالیاں بجا بجا کر خوشی کا اظہار کرنا، یہ سب اُفق کو اتنا اچھا لگ رہا تھا کہ شدتِ جذبات سے اُس کی آنکھیں بار بار نمناک ہو جاتی تھیں۔ اُس کے گمان میں بھی نہیں تھا کہ وہ کبھی اتنا محترم بنا دیا جائے گا۔

پرنسپل صاحب کی جانب سے اُفق کو تقریر کی اجازت ملی تو اُس نے آگے بڑھ کر مائک سنبھالا، پھر ترتیب سے سب کو مخاطب کرنے کے بعد کہنا شروع کیا:

"اس تقریب میں مجھے جس اعزاز سے نوازا گیا، اس کے لیے میں آپ تمام لوگوں کا شکر گزار ہوں اور ساتھ ہی اس سچ کو قبول کرنے میں دل کو بڑی راحت مل رہی ہے کہ میری اس کامیابی اور سرفرازی کے پس منظر میں میری کلاس کے ایک طالبِ علم بھائی شبیب عباس کی خوش اخلاقی، صبر اور پاسداری کا زبردست رول رہا ہے۔"

اتنا کہنے کے بعد اُفق نے اسٹیج پر ہی موجود شبیب کو گلے لگا لیا۔ اُفق سے گلے مِل لینے کے بعد شبیب واپس اپنی جگہ پر جا کھڑا ہوا۔ جبکہ اُفق مزید کہہ رہا تھا، "شبیب میری کلاس کا، میرا ہم عمر اور میرے ہی جیسا ایک عام لڑکا ہے۔ پھر بھی اس کے اندر کچھ ایسی خوبیاں ہیں، جن کی چمک نے میرے ذہن و دل کو روشن کر ڈالا۔

"شبیب میں دشمن سے بھی محبت کرنے کا ہنر ہے اور اپنی اِن ہی خوبیوں کی بدولت شبیب نے میرے اندر کی تمام بُرائیوں کو کچھ اس سلیقے سے نکال دیا کہ مجھے پتا تک نہیں چلا۔ اور آج وہ دن دیکھ رہا ہوں کہ میں امتحان میں امتیازی مقام حاصل کیا، جس کی بدولت مجھے عزت و محبت کی نگاہ سے دیکھا جا رہا ہے۔ میں اپنے نیک دل دوست شبیب کا تہہِ دل سے شکریہ ادا کرتے ہوئے آپ تمام حضرات سے وعدہ کرتا ہوں کہ میرے دوست کے پاس دوسروں کے سوئے ہوئے دلوں کو جگانے کرنے کا جو جذبہ و سلیقہ ہے، اُسے میں بھی اپنی عادت میں شامل کروں، تاکہ زندگی کے آخری دم تک ضرورت مندوں کے کام آتا رہوں۔ شکریہ۔"

اُفق کی باتوں نے ہر کسی کو بے حد متاثر کیا۔ پرنسپل صاحب تو اتنا خوش ہوئے کہ انھوں نے اُس کے لیے پہلے سے منتخب انعام کے علاوہ اُسے Best speech کے لیے بھی انعام دینے کا اعلان کر ڈالا۔ اِس پر ایک بار پھر تالیوں کی گڑگڑاہٹ سے ماحول میں ترنگ گھل گیا۔

■

Manzar Muzaffarpuri
Paighamberpur Kolhwa, Shiatoli
Near Kolhwa Chowk
Post: Kolhwa, Via: Kalwari
Distt: Muzaffapur - 843108

شاہ تاج

ناخن

"امی یہاں آیئے! لیبا نے اپنے بستر کی کیا حالت کر دی ہے؟" فردوس نے آواز لگائی۔ میں نے جا کر دیکھا تو معلوم ہوا کہ لیبا نے اپنے ناخنوں کا بہت زبردست استعمال کیا تھا۔ پورا بستر جگہ جگہ سے پھٹ گیا تھا۔

"نیل کٹر لایئے! مجھے لیبا کے ناخن تراشنے ہیں۔"

فردوس نیل کٹر لینے چلی گئی۔ لیبا کو گود میں بٹھاتے ہوئے میں نے کہا "لیبا! یہ آپ نے کیا کیا ہے؟" وہ معصومیت سے میری جانب دیکھتے ہوئے بہت غور سے میری بات سن رہی تھی۔ لیبا کے ناخن تراشنے کے بعد میں جانے لگی تو فردوس نے کہا "امی میرے ناخن بھی بڑے ہو گئے ہیں۔ انہیں بھی تراش دیجیے۔"

"جی! ادھر آیئے!" فردوس آٹھویں جماعت کی طالب علم ہے۔ وہ ہمیشہ اپنی جماعت میں اوّل آتی ہے۔

فردوس نے ناخن ترشوانے کے لیے ہاتھ بڑھایا اور ساتھ میں ایک سوال بھی "امی! لیبا بلی ہے۔ اس کو تو اپنی حفاظت کے لیے اتنے بڑے اور خطرناک ناخن کی ضرورت ہوتی ہے، لیکن یہ ناخن ہمارے کس کام کے ہیں؟ ہمیں کہاں کسی سے لڑنا ہوتا ہے۔"

"ہمیں آج ان خوبصورت ناخن کی زیادہ ضرورت نہیں ہے لیکن ہزاروں سال پہلے جب انسان جنگل میں رہتا تھا، کوئی ہتھیار بھی وجود میں نہیں آئے تھے، تب یہی ناخن انسان کے لیے ہتھیار کا کام انجام دیتے تھے۔ دھیرے دھیرے انسان خطرناک ہتھیار بناتا گیا اور قدرتی ہتھیاروں نے خود کو سمیٹنا شروع کر دیا، تبھی تو آج آپ کے ناخن اتنے خوبصورت ہو گئے ہیں۔ لیکن یہ آج بھی ہمارے کام آتے ہیں۔ جب آپ کو کہیں کھجانا ہو یا کسی کو نوچنا ہو تو یہ ناخن کتنے کام آتے ہیں!" میں نے ہنستے ہوئے کہا تو فردوس نے کہا "کیا امی! آپ بھی..."

"اچھا امی! ایک بات بتایئے۔ جب ہم اپنے ناخن کاٹتے ہیں تو درد کیوں نہیں ہوتا؟"

"ناخن کا جو حصہ ہم کاٹتے ہیں وہ مردہ خلیات ہوتے ہیں۔ یہ جو ناخن کا سفید حصہ ہے... صرف اسے کاٹنے پر درد نہیں ہوتا۔ اسے Distale/free adge یا آزاد کنارے کہتے ہیں۔"

"امی! آپ کو یاد ہے جب میرے پیر کا ناخن نکل گیا تھا تو مجھے بہت درد ہوا تھا۔ وہ ناخن بھی کافی وقت کے بعد دوبارہ آیا تھا... کیوں؟" فردوس نے یاد کرتے ہوئے کہا۔

"جی بیٹا! آپ کے پیر پر ضرب لگی تھی اور ناخن جڑ Nail bed سے الگ ہو گیا تھا۔ دوسرے یہ کہ پیر کے ناخن کو

Free adge تک آنے کے لیے 12 سے 18 مہینے کا وقت درکار ہوتا ہے۔اور ہاں! اگر ہاتھ کی انگلیوں کا ناخن ہوتو Free adge تک آنے کے لیے اسے تقریباً 6 مہینے کا وقت لگتا ہے۔"

"اوہ۔تبھی...! یہ Free adge کیا ہے؟ یہ ناخن بڑھتے کیسے ہیں؟ امی میرے ناخن میں یہ چاند جیسا کیا ہے؟"فردوس نے سوالوں کی بوچھار کر دی۔اسے ناخن میں کچھ زیادہ ہی مزا آنے لگا تھا۔میں بچوں کے سوالات کے جوابات دینے کے لیے اکثر لائبریری جاتی رہتی ہوں تا کہ میں ان کے ذہن میں اٹھنے والے سوالات کوحل کرسکوں۔

"اس کے لیے ناخن کی Anatomy یا تشریح الاعضا کرنا ہوگی۔میں سمجھانے کی کوشش کرتی ہوں۔"میں نے فردوس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیا اور ناخن کو دکھاتے ہوئے میں نے اپنی بات شروع کی۔

"سب سے اوپر والا حصّہ جو ہمیں نظر آتا ہے اسے Nail plate کہتے ہیں۔اور یہ جو نصف چاند کی شکل میں ناخن کے نچلے حصے میں کچھ نظر آ رہا ہے اسے لونولا انگائیس Lunula Unguis کہتے ہیں۔یہ لاطینی latin زبان کا لفظ ہے۔اس کے معنی ہی چاند ہے۔پورے ناخن کو مضبوطی کے ساتھ پکڑے ہوئے جو حصّہ نظر آ رہا ہے اسے کٹیکل (cuticle) کہتے ہیں۔سب سے اہم حصّہ... ناخن کے ختم ہونے کے بعد۔۔انگلی کی پور جو کافی حد تک چمکدار بھی ہے اسے Matrix کہتے ہیں۔Matrix تین طرح کے ہوتے ہیں۔سب سے پہلا Mterile matrix ہمارے ناخن کے نیچے موجود ہوتا ہے۔دوسرا Germinal matrix ہے اس میں رطوبت (Lymph)، اعصاب (Nerves) اور خون کے خلیات (Blood cells) ہوتے ہیں۔تیسرا اور سب سے اہم حصّہ nail matrix کہلاتا ہے۔یہیں سے ہمارے ناخن بڑھتے ہیں۔نئے خلیات Cells بننے کا کام جاری رہتا ہے اور ناخن آگے کی جانب بڑھتے رہتے ہیں۔فردوس یہ بہت اہم حصّہ ہے،یہیں جاندار خلیات لگاتار محنت کرتے ہیں۔"میں نے اپنی ساری معلومات کو فردوس کے سامنے رکھ دیا۔

"امی! یہ Free adge تو اچھی طرح سمجھ آ گیا کہ یہ سفید حصّہ مردہ خلیات ہیں اور انہیں کاٹتے وقت ہم درد محسوس نہیں کرتے لیکن باقی پورا ناخن گلابی رنگ کا ہے۔اس پر چوٹ لگے تو ہمیں درد بھی ہوتا ہے..... کیوں؟"فردوس کے ذہن میں اب کئی سوال کلبلانے لگے تھے۔

nail plate کے نیچے رگیں (Tissues) اور غدود (Glands) ہوتے ہیں۔ناخن کی ظاہری سطح کے نیچے کے گلابی حصّے کو Nail bed کہتے ہیں۔فردوس کیا آپ کو معلوم ہے کہ ہمارے بال اور ناخن دونوں ہی Keratin سے بنے ہوتے ہیں جو ایک قسم کا پروٹین ہے۔"

"جی امی! ہماری جلد میں بھی Keratin ہوتا ہے۔ہمیں اسکول میں بتایا گیا تھا۔"فردوس نے خوش ہوتے ہوئے بتایا۔

"واہ بہت خوب.....اس کا مطلب آپ کلاس میں توجہ دیتی ہو۔شاباش'میں نے فردوس کی بات سن کر کچھ سکون کا سانس لیا۔کیونکہ آج کل بچے اپنے استاد کی باتوں کو توجہ سے نہیں سنتے۔

"یہ بھی تو بتائیے کہ ہمارے ناخن کیسے بڑھتے رہتے ہیں؟ آج آپ نے تراش دیے ہیں،دو دن بعد یہ پھر باہر دکھائی دینے لگ جائیں گے۔"فردوس ناخن کی اس حرکت سے بہت نالاں تھی،کیونکہ کئی مرتبہ انہیں اسکول میں ناخن کو

دانت سے کترنا پڑا تھا۔ورنہ سزا مل جاتی۔

میں مسکرائی اور اپنی بات شروع کی

''اپنے ناخن کی جڑ کی جانب دیکھیے۔''

''جی! ناخن کا Cuticle کے بعد کا حصّہ کافی چمکدار ہے۔باقی انگلی کے رنگ سے قدرے مختلف ہے۔''فردوس نے دھیان سے دیکھتے ہوئے کہا۔

''جی فردوس!اسی جگہ پر ناخن کی نشوونما Nail growth کا کام لگاتار چلتا رہتا ہے۔ میں نے پہلے بتایا کہ Matrix میں خلیات کی تقسیم جاری رہتی ہے۔ نئے Cells بنتے رہتے ہیں اور پرانے خلیات کو آگے دھکیلتے رہتے ہیں۔جو ہمارے ناخن ہوتے ہیں۔نظر آنے والے ناخن میں خلیات کے بننے کا کام بند ہو جاتا ہے اور یہ صرف Keratin کی شکل میں رہ جاتا ہے۔ پیچھے سے خلیات دھکا دیتے رہتے ہیں اور ناخن آگے بڑھتا رہتا ہے اور جب Free adge میں آتا ہے تو ہم اس کا تراش خراش اپنی مرضی سے،بنا تکلیف کے کر پاتے ہیں۔''

''امی! یہ ناخن بڑھتے بھی بہت تیزی سے ہیں۔کیا ہم یہ جان سکتے ہیں کہ ناخن ایک مہینے میں کتنا بڑھ سکتے ہیں؟''

فردوس کا ایک اور سوال تیار تھا۔

''جی! تقریباً 3.47 ملی میٹر تک نمو کر سکتا ہے۔پیر کے ناخن کے بڑھنے کی رفتار ذرا سست ہوتی ہے،وہ صرف ایک ملی میٹر تک ہی بڑھ پاتا ہے۔'میں نے اپنی بات ختم کی تو فردوس نے خوش ہوتے ہوئے کہا،''امی! آپ نے مجھے آج بہت کام کی باتیں بتائی ہیں اور میرے ناخن بھی خوبصورتی سے تراش دیے۔''

''جی! اس کے لیے آپ کو میری پیاری لیپا کا شکریہ ادا کرنا چاہیے جس کی وجہ سے ناخن کا ذکر نکلا۔''فردوس نے لیپا کو گود میں اٹھایا اور حقیقت میں اسے شکریہ ادا کرنے لگی۔مجھے بے ساختہ ہنسی آگئی۔

''فردوس! اگر آپ کو اپنے ناخن خوبصورت اور مضبوط بنائے رکھنے ہیں تو آپ کو اپنی غذا پر توجہ دینی چاہیے۔آپ کی خوراک متوازن ہو۔صاف صفائی کا دھیان رکھنا بھی بے حد ضروری ہوتا ہے۔''فردوس نے ہاں میں گردن ہلائی۔حالانکہ میں جانتی ہوں کہ فردوس کھانے پینے میں زیادہ نخرے نہیں کرتی لیکن مجھے جب بھی موقع ملتا ہے سبزیوں اور پھلوں کا ذکر ضرور کرتی ہوں تاکہ ان کے ذہن میں ان چیزوں کی اہمیت بنی رہے۔ اچانک میرے ذہن میں ایک اور بات آئی جسے فردوس کو بتانے میں۔۔ میں نے دیر نہیں کی۔

''فردوس! یہ بات سائنس سے متعلق تو نہیں ہے لیکن بے حد خوبصورت بات ہے۔سننا چاہو گی.....؟''

''جی امی...!''

''برسوں پہلے میں نے کہیں پڑھا تھا کہ ناخن کا بڑھنا ہمارے اندر کہیں چھپے جانور کی نشاندہی کرتا ہے اور ناخن کا تراشا جانا مہذب انسان بننے کی کوشش سے تعبیر کیا جا سکتا ہے۔''

''واہ امّی . . .!سائنس سے ایک دم فلاسفی . . .بہت خوب...!''

''شرارتی بچی... چلیے... اب آپ اپنا کام کریے اور میں ذرا لائبریری ہو آؤں.....''

■

Shahtaj Khan
588/2b, Hayat Manzil
Plot No 40, Flat No 4
New Era Society, Bibwewadi,
Pune-411037 (Maharashtra)
Mobile: 9225545354

فیاض احمد

سچی دوستی

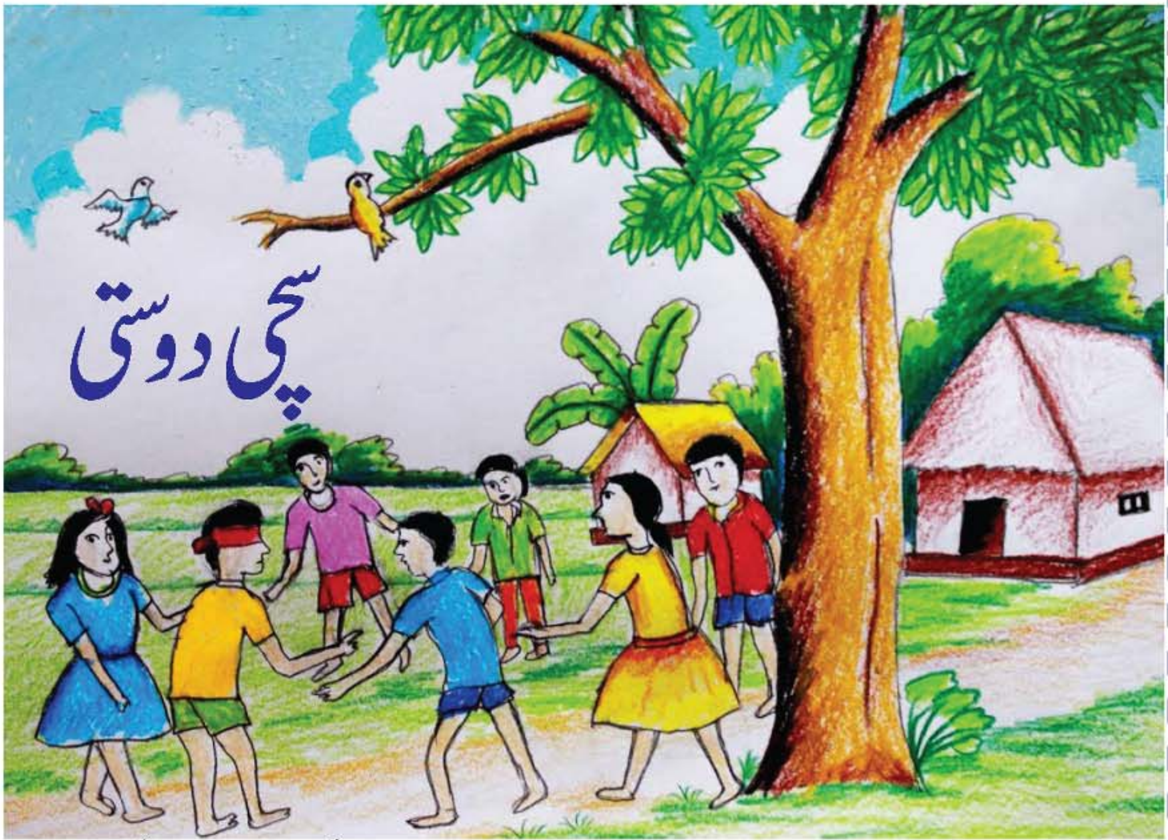

رحمت علی صاحب کا ایک چھوٹا سا خوشحال کنبہ تھا۔ ان کا مکان ایک چھوٹے سے کمرے اور آنگن پر مشتمل تھا۔ آنگن کے ایک کونے میں تھوڑی سی کچی زمین بھی تھی جس میں نیم کا ایک ہرا بھرا پیڑ تھا۔ بچے اس کے نیچے کھیلتے بھی تھے۔اس کی شاخوں پر جھولا جھولتے تھے۔گھر کے بڑے بھی چار پائی ڈال کر آرام کر لیتے تھے۔نیم کے پھل جسے ہم نیم کوڑی بھی کہتے ہیں کھانے میں استعمال کیا جاتا تھا اور اسکے پتے تو بہت کام آتے تھے۔زخموں پر تو اس کے اثر بہت اچھے ہوتے ہیں اور ہاں سب سے بڑھ کر خوشی کی بات یہ تھی کہ اس درخت پر ہی تھا ایک چڑیا کا گھونسلہ جس کا نام ریشماں نے رانی رکھا تھا۔رانی چڑیا بھی ریشماں کی طرح دن بھر چہکتی رہتی تھی۔ریشماں بھی چھوٹی ہونے کی وجہ سے گھر کی رانی تھی۔پیڑ کی سب سے اوپری شاخ پر ایک کوے نے بھی گھونسلہ ڈال رکھا تھا۔گلہری کا تو پورا ایک خاندان ہی بسا ہوا تھا اس درخت پر۔

ایک دن اچانک رحمت صاحب نے فریدہ بی بی سے کہا: بیگم کیوں نہ ایک نیا کمرہ بنوا لیا جائے، بچے اب بڑے ہو رہے ہیں ایک کمرے میں ان کی پڑھائی کا بھی حرج ہوتا ہے۔

بیگم نے بھی جھٹ سے کہا: ہاں میں بھی یہی سوچ رہی تھی۔مگر پیسے کہاں سے آئیں گے؟

خیر بات وہیں ختم ہوگئی۔

پھر ایک دن رات کے کھانے پر اچانک رحمت صاحب نے کہا: بیگم، کیوں نہ ہم اس نیم کے پیڑ کو کاٹ ڈالیں اس کی لکڑیوں سے اچھے خاصے پیسے مل جائیں گے۔

یہ ایک اچھا مشورہ تھا ان کے

لیے سودونوں راضی ہو گئے۔
اگلے ہی دن اچانک کچھ لوگ آئے اور ناپ جوپ شروع کر دیا۔ ریشماں ان سب باتوں سے انجان تھی۔
ماں یہ لوگ کون ہیں؟ اور پیڑ کو کیوں ناپ رہے ہیں؟ ریشماں نے معصومیت سے پوچھا۔
فریدہ بیگم نے سمجھاتے ہوئے کہا: بیٹا آپ لوگوں کے لیے ایک کمرہ بنے گا جس میں آپ سکون سے پڑھائی کر سکو گے۔ اس نیم کے پیڑ کو کاٹ کر پیسے مل جائینگے اور جگہ بھی۔
ماں پیڑ کاٹنا ضروری ہے کیا، کافی جگہ تو پہلے سے ہی ہے۔ ریشماں نے کہا۔
ماں نے کہا ہاں بیٹا پیڑ کے بدلے پیسوں سے ہی تو کمرہ بنے گا۔
ریشماں پر جیسے پہاڑ ٹوٹ پڑا...
ہر صبح چڑیوں کی چہچہاہٹ سے ریشماں کی آنکھ کھل جاتی تھی مگر آج صبح کچھ عجیب تھی۔ رانی چڑیا اپنے گھونسلے میں دو چوزوں کو پروں میں سمیٹے بالکل خاموش تھی۔ مانو اسے بھی پتا لگ گیا ہو کہ اب اس کا آشیانہ نہیں رہے گا۔ کوا کا گھونسلہ تو وہاں سے غائب ہو گیا تھا۔ شاید پیڑ کٹنے کا سن کر کوا چلا گیا تھا۔
شام کو ریشماں نے ابو سے کہا: ابو اس پیڑ کو مت کاٹیے، اس پر رانی کا گھر ہے۔ وہ بے گھر ہو جائے گی۔
رحمت صاحب نے بچی کو سمجھاتے ہوئے کہا: بیٹا وہ تو اپنا گھونسلہ کسی دوسرے پیڑ پر ڈال لے گی۔ ریشماں نے ابو کو بہت سمجھانے کی کوشش کی مگر کچھ نہیں ہوا۔ اگلے دن پیڑ کٹنا تھا۔
رات بھر ریشماں کو نیند نہیں آ رہی تھی۔ اسے فکر تھی تو بس پیڑ کی اور اپنی سہیلی رانی کی۔ وہ اچانک بستر سے اٹھتی ہے اور سیدھے پیڑ کے پاس جاتی ہے اور چڑیا کے گھونسلے کو غور سے دیکھتی ہے۔ اس کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے۔ پیڑ سے لپٹ کر کہتی ہے میری دوست میں تمھیں نہیں بچا سکتی مجھے معاف کر دینا۔
اگلے دن گھر بننا شروع ہو گیا۔ سب سے پہلے بنیاد کے لیے گڈھے کھودے جانے تھے۔ ابھی تھوڑا سا کھودا گیا تھا کہ اچانک کھٹاک کی ایک آواز آئی گویا مزدور کا کدال کسی لوہے جیسی سخت چیز سے ٹکرا گیا ہو۔ رحمت علی صاحب اور دوسرے افراد بھی دوڑتے ہوئے آ گئے۔
مزدور نے کہا: مالک پیتل کا ایک بڑا سا گھڑا ہے۔
رحمت صاحب نے کہا: اور کھود کر دیکھو بھائی۔
جب پیتل کا گھڑا باہر نکالا گیا تو سبھی کی آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئیں۔ اس میں قیمتی زیورات تھے۔
رحمت صاحب کو اس سے اچھی خاصی آمدنی ہو گئی، قریباً دو لاکھ روپئے۔ سب خوش تھے مزدوروں کو بھی اچھی خاصی دعوت دے دی گئی۔
گھر کے سبھی لوگ خوشیاں منانے میں مشغول تھے کہ اچانک ریشماں نے کہا: ابو! اب تو پیسوں کا مسئلہ حل ہو گیا نا، اب تو آپ لوگ پیڑ کو نہیں کاٹینگیں۔
رحمت علی صاحب نے آگے بڑھ کر ریشماں کا ماتھا چوم کر کہا بالکل نہیں۔
ریشماں دوڑ کر نیم کے پیڑ سے لپٹ جاتی ہے۔ رانی تو چہک رہی تھی گویا اپنی سہیلی کا شکریہ ادا کر رہی ہو۔

■

Faiyaz Ahmad
South Bazar
Post: Andal - 713321
Dist: Paschim Burdwan (West Begal)

مہوش فاطمہ

بہادر لڑکی

رادھا ایک پیاری اور خوبصورت لڑکی تھی۔ وہ راجستھان میں بہت دور ایک جنگل کے پاس رہتی تھی۔ وہاں کے روایتی کپڑے گھاگھرا چولی تھے، اسے بھی یہ کپڑے پہننا بہت پسند تھا۔ وہ اپنے چھوٹے سے گھر میں والدین اور چھ بہنوں کے ساتھ رہتی تھی۔ جن میں وہ سب سے بڑی تھی۔

اس گاؤں میں بہت سالوں سے ایک رواج چلا آ رہا تھا۔ یہ رواج اس وقت کے باقی دوسرے رواجوں میں سب سے زیادہ مشہور تھا، جسے لوگ سب سے زیادہ مانتے تھے۔ وہ رواج یہ تھا کہ جب کوئی لڑکی چھ یا سات سال کی ہو جاتی تھی تب اس کی شادی اس کی عمر سے دس پندرہ سال بڑے آدمی سے کر دی جاتی تھی اور جیسا کہ رادھا کی چھ بہنیں تھیں اس وجہ سے اس کے باپ کو بہت جلدی تھی اچھے لڑکے ڈھونڈنے کی اور اپنی بیٹیوں کی شادی کروانے کی تا کہ اس کے سر سے بوجھ ہلکا ہو جائے۔ اس کا باپ ایک معمولی سا کسان تھا جو بہت کم پیسے کماتا تھا۔ اس کا گھر مٹی اور گھاس پھوس کا بنا تھا لیکن وہ ان آٹھ لوگوں کے لیے کافی تھا۔

حالانکہ رادھا ابھی اتنی بڑی نہیں ہوئی تھی کہ گھر کے سارے کام سنبھال سکے، پھر بھی وہ دال، چاول، روٹی اور یہاں تک کہ سبزی پکانا بھی جانتی تھی۔ وہ کھانا پکانے میں اپنی ماں کی مدد کیا کرتی تھی۔

رادھا بہت ہی سیدھی اور شانت مزاج کی تھی۔ وہ اپنا وقت فالتو چیزوں میں ضائع نہیں کرتی تھی۔ اس گاؤں میں لڑکیوں کے کپڑے پہننے کا طریقہ بہت الگ تھا۔ ان کے گھاگھرے بہت ہی بھاری اور کڑھائی دار ہوتے تھے۔ قمیض زیادہ بھاری نہیں ہوتی تھی۔ بہت سادہ ہوا کرتی تھی اور ان کے دوپٹے بہت ہی بھاری ہوتے تھے جن مین بہت سارا موتیوں کا کام ہوتا تھا۔ ہر وقت وہ کانوں میں بڑے بڑے جھمکے، چوڑیاں اور بھاری زیورات سے لدی رہتیں تھیں۔

اس کا ایک روزانہ کا دستور تھا کہ وہ ہر صبح آٹھ بجے کنویں سے پانی لینے جایا کرتی تھی۔ اس نے آج تک اسکول کی شکل نہیں دیکھی تھی، وہ نہیں جانتی تھی کہ اسکول ہوتا کیا ہے، پر اس نے کئی بار کچھ لڑکیوں سے اس کے بارے میں بات کرتے سنا تھا۔ پر اس کی اتنی اچھی قسمت کہاں کہ وہ اسکول جا سکے، اس کے والدین بڑی مشکل سے تو گھر کا خرچ چلا رہے تھے،

اسکول کے لیے ان کے پاس پیسے نہیں تھے۔ دو وقت کی روٹی مل جائے وہی بہت تھا۔

ایک صبح رادھا کی ماں نے ہر دن کی طرح اسے پانی لانے کو بھیجا۔ دھوپ بہت تیز تھی، اور آٹھ بجے ہی ایسا لگ رہا تھا جیسے دوپہر کا وقت ہو۔ اس نے فوراً ہی اپنی ماں کی بات مان لی کیونکہ اسے باہر ٹھنڈی ہوا میں گھومنا بہت پسند تھا۔ اس نے جلدی سے دو مٹکے اٹھائے جن میں سے ایک کو اس نے اپنی کمر پہ رکھا اور دوسرے کو اپنے سر پر۔ جلدی سے اپنی چپلیں پہنیں اور نکل پڑی۔ کنواں اس کے گھر سے چار کیلومیٹر دور تھا۔ اس وجہ سے اسے وہاں پہنچنے میں اور یہ کام کرنے میں بہت دیر لگ جاتی تھی۔

راستے میں چلتے ہوئے اس نے اپنا پسندیدہ گانا گانا شروع کر دیا۔ اس کی آواز بہت ہی میٹھی اور سریلی تھی۔ اچانک اس نے گانا بند کر دیا اور کچھ دوری پر کچھ لڑکیوں کو دیکھنے لگی جو ایک رسی سے اچھلنے والا کھیل کھیل رہی تھیں۔ انھیں دیکھ کر رادھا کا دل بھی کھیلنے کو کرنے لگا۔ اس نے پوچھا، ’’کیا میں تم لوگوں کے ساتھ کھیل سکتی ہوں؟‘‘

’’ہاں، ہاں کیوں نہیں۔ ہم تمھارے ساتھ کھیلنے کے لیے تیار ہیں۔‘‘ لڑکیوں نے خوشی سے جواب دیا اور پھر وہ سب کھیلنے لگیں۔ آدھے گھنٹے بعد رادھا کو یاد آیا کہ اسے تو ماں کا کام پورا کرنا تھا، اس نے جلدی سے اپنے مٹکے اٹھائے اور پانی لینے آگے بڑھ گئی۔

وہاں پہنچتے ہی اس نے جلدی سے پانی نکالنے والی بالٹی اندر ڈالی اور پانی اوپر کھینچنے لگی۔ پھر اس نے پانی اپنے پہلے مٹکے میں ڈالا اور جب وہ بھر گیا تو اس نے دوسرے مٹکے کے ساتھ بھی یہی کیا۔ جیسے ہی اس نے مٹکے اٹھائے تاکہ وہ انھیں اپنے سر پہ رکھ سکے اچانک اسے اپنے پیچھے سے ایک آواز آئی۔ وہ جلدی سے مڑی تاکہ وہ دیکھ سکے کہ یہ آواز کہاں سے آ رہی ہے۔ اس نے دیکھا کہ ایک لڑکی جو کہ لگ بھگ آٹھ سال کی رہی ہوگی، بہت بری طرح سے رو رہی ہے۔ اس نے اپنے مٹکے ایک پاس کی چٹان پر رکھ دیے اور دوڑ کر اس لڑکی کے پاس گئی۔ اس نے پوچھا، ’’تمھیں کیا پریشانی ہے کہ تم اتنا رو رہی ہو؟‘‘

اس لڑکی نے اس کی باتوں کا کوئی جواب نہیں دیا اور روتی رہی۔ رادھا نے پھر پوچھا، پھر بھی اس لڑکی نے کوئی جواب نہیں دیا اور روتی رہی۔ رادھا کو سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ وہ کیا کرے۔ پھر وہ دوڑ کر اپنے مٹکوں کے پاس گئی اور تھوڑا پانی مٹکے کے ڈھکن میں نکال کر لے آئی۔ اس لڑکی کو پانی پلایا تو وہ چپ ہوئی، اور پھر بولی، ’’پچھلے سال میرے ماں باپ نے میری شادی مجھ سے اٹھارہ سال بڑے لڑکے سے کروا دی تھی، اور....‘‘ اتنا بولتے ہی وہ پھر رونے لگی۔

رادھا نے اسے پھر تھوڑا پانی پلایا اور پیار سے پوچھا، ’’اور کیا؟ بتاؤ مجھے۔‘‘

’’اور‘‘ اس لڑکی نے پھر بولنا شروع کیا، ’’اور آج اس لڑکے کی موت ہوگئی، اب میں ایک بیوہ ہوں، سب مجھے بری نظروں سے دیکھتے ہیں۔ میرے ماں باپ اور میرے ساس اور سسر مجھ سے ناراض رہتے ہیں۔ وہ سب یہی سوچتے ہیں کہ اس کی موت میری بری قسمت کی وجہ سے ہوگئی ہے، اور سب میرا ہی قصور ہے۔ کوئی مجھے پسند نہیں کرتا۔‘‘

رادھا نے اپنے دوپٹے سے اس کے آنسو پونچھے اور اسے پیار سے سمجھایا کہ اسے گھر جانا چاہیے۔ ایک بہادر لڑکی ہونے کی خاطر اس نے کہا، ’’زندگی مشکل حالات سے بھاگنے کے لیے نہیں بلکہ اس کا ڈٹ کر سامنا کرنے کے لیے ہوتی ہے۔‘‘

اتنا کہہ کر اس نے دوبارہ اپنے مٹکے اٹھائے اور گھر کی طرف بڑھ گئی۔ اس بار وہ اپنا پسندیدہ گانا نہیں گنگنا رہی تھی، شاید وہ اس کے ہونٹوں سے کہیں گم ہو گیا تھا۔ وہ بہت ہی اداس اور دکھی تھی۔ اپنے ہی خیالوں میں گم وہ چپ چاپ چلی جا رہی تھی۔

اس نے اپنے من میں سوچا، ''اس کی شادی اتنی چھوٹی عمر میں کیوں ہو گئی؟ اس کے ماں باپ کو ایسا نہیں کرنا چاہیے تھا۔ وہ ابھی یہ سب سنبھالنے کے لیے بہت چھوٹی ہے۔ میں کبھی بھی اتنی چھوٹی عمر میں شادی نہیں کروں گی، اور اگر میرے والدین نے میری شادی کروا دی اور میرا شوہر بھی مر گیا تو پھر میں بھی اس کی طرح بیوہ ہو جاؤں گی اور پھر مجھے کوئی پسند نہیں کرے گا۔ بالکل نہیں، میں کبھی ایسا نہیں ہونے دوں گی۔'' یہ سب سوچتے سوچتے وہ کب گھر پہنچ گئی اسے پتا ہی نہیں چلا۔ جیسے ہی وہ گھر پہنچی، اس نے دیکھا کہ گھر کے باہر بہت سے جوتے اور چپل رکھے ہوئے تھے۔ وہ دوڑ کر اندر گئی اور مٹکے رسوئی گھر میں رکھ دیے۔ وہ نہیں جانتی تھی کہ یہ مہمان اس کے گھر پر کیوں آئے ہیں؟'' کیا کوئی خاص بات ہے یا پھر کچھ اور جس کی وجہ سے اتنے سارے مہمان آئے ہوئے ہیں'' اس نے اپنے آپ سے پوچھا۔

اس رات جب سبھی ساتھ بیٹھ کر کھانا کھا رہے تھے تب رادھا کے والدین نے اسے بتایا کہ انھوں نے اس کی شادی ایک چھبیس سالہ آدمی جس کا نام راکیش ہے، کے ساتھ طے کر دی ہے۔ یہ سنتے ہی اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔

''پر ماں میں تو ابھی صرف دس سال کی ہوں۔ میں ابھی یہ نہیں کر سکتی'' رادھا نے کہا۔

''تو کیا ہوا میری شادی تو جب میں آٹھ سال کی تھی، تبھی طے ہو گئی تھی'' اس کی ماں نے کھانا کھاتے ہوئے جواب دیا۔

''پر ماں میری دوست رانی کے استاد نے بتایا تھا کہ اٹھارہ سال سے پہلے لڑکیوں کی شادی نہیں کرانی چاہیے، ایسا کرنا غلط ہے۔''

''مجھے اب اور کچھ نہیں سننا، تمھاری شادی اگلے مہینے ہو رہی ہے بس۔ جیسا میں نے کہا ویسا ہی ہوگا۔'' اس کے پتا نے چلا کر کہا۔

آخر کار اس کے ماں باپ نے اس کی شادی کروا ہی دی بنا اس کی بات کو سنے۔

جب اس کی شادی ہوئی تو اسے ایک پل کے لیے بھی آرام کرنے کی فرصت نہیں ملتی۔ اس سے زبردستی گھر کا سارا کام کروایا جاتا۔ حد تو تب ہوگئی جب اس کے پتی نے اسے مارنا اور پیٹنا شروع کر دیا۔

کافی دنوں تک یہ سہنے کے بعد جب یہ سب کچھ برداشت کے باہر ہوگیا تب رادھا نے ایک بہت ہی اہم فیصلہ لینے کے بارے میں سوچا۔ اس نے فیصلہ کیا کہ وہ اپنی شادی کو جلد سے جلد توڑ دے گی۔ وہ جانتی تھی کہ ایسا ہو سکتا ہے کیونکہ اس کا معاملہ بال ووواہ کا ہے۔ اس نے ایسا ایک این جی او سے سنا تھا۔

رادھا نے ایک بہت ہی بڑا فیصلہ لیا۔ اس نے سوچ لیا تھا کہ وہ اب اپنے پتی کے ساتھ کسی بھی قیمت پر نہیں رہے گی۔ وہ اپنے والدین کے گھر واپس چلی جائے گی اور اگر انھوں نے اس کا ساتھ نہیں دیا تو وہ این جی او سے مدد لے گی، جس کے بارے میں وہ بتا رہی تھی جو اس کے پڑوس میں رہتی تھی۔

وہ وہاں سے بھاگ کر اپنے ماں باپ کے گھر واپس آگئی، پر انھوں نے اسے اپنے گھر میں رہنے کی اجازت نہیں دی، اور اسے کہیں اور جانے کے لیے کہہ دیا۔

یہ اس کی زندگی کا سب سے مشکل وقت تھا۔ اس نے کچھ وقت تک اندر بلانے کا انتظار کیا، پر ایسا کچھ نہیں ہوا۔ وہ رونے لگی اور برے خیالوں نے اسے ہر طرف سے گھیر لیا۔ اسے سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ وہ کیا کرے۔

تبھی اچانک اسے یاد آیا کہ ایک انسان ہے جو اس کی مدد کر سکتا ہے، اسے یاد آیا کہ گاؤں کے سرپنچ اس کی مدد کر سکتے ہیں کیونکہ وہ جانتی تھی کہ وہ ایک اچھے اور پڑھے لکھے انسان ہیں۔

جب انھوں نے اسے دیکھا تو اس کی پریشانی کے بارے میں پوچھا۔ رادھا نے اپنی ساری کہانی انھیں سنائی۔ فوراً ہی گاؤں کے سرپنچ نے اس کا ساتھ دیا اور کچھ گاؤں والوں کو اپنے ساتھ لے کر رادھا کے گھر اس کے والدین سے ملنے چلے گئے۔

جب رادھا کے ماں باپ نے انھیں دیکھا تو وہ ڈر گئے کہ کہیں ان سے کچھ غلطی تو نہیں ہوگئی۔

اس کے پتا باہر آئے اور ہاتھ جوڑتے ہوئے پوچھا، ''کیا ہوا صاحب؟ مجھ سے کوئی غلطی ہوگئی ہے کیا۔''

''تمھاری ہمت کیسے ہوئی اپنی بیٹی کی شادی اتنی چھوٹی عمر میں اتنے بڑے آدمی سے کروانے کی۔ کیا میں نے پہلے ہی یہ آرڈر نہیں نکالا تھا کہ ایسا آگے سے کوئی نہیں کرے گا جیسا کہ ہم پہلے کیا کرتے تھے۔''

اس کے پتا کے پاس الفاظ نہیں تھے کہ وہ کیا کریں۔ اس نے ایسا صرف کچھ پیسوں کے لیے کیا تھا۔ اس نے اپنے داماد سے جہیز لیا تھا۔ یہ ایسا تھا کہ اس چھوٹی سی لڑکی کو ایک جوان آدمی کو بیچ دینا۔ اور یہ ایک بہت بڑا جرم تھا۔

سرپنچ نے انھیں ڈرایا کہ وہ ان سب کے خلاف پولیس کیس کریں گے۔ یہ سنتے ہی ان سب کی عقل ٹھکانے آگئی اور انھیں اپنی غلطی کا احساس ہوگیا۔ آخر کار، رادھا نے وہ زبردستی کی شادی توڑ دی اور اس کی اس ہمت اور بہادری نے اور بھی باقی لڑکیوں کی ہمت بڑھا دی اور اس طرح سے بچوں کو بیچنے کا کام ختم کرنے میں ہمت دکھائی۔

■

Mahvish Fatima
N-32/A, Flat No 6
Abul Fazal Enclave, Part-1
Jamia Nagar, Okhla
New Delhi - 110025
Mob.: 9910111463

یوسف رام پوری

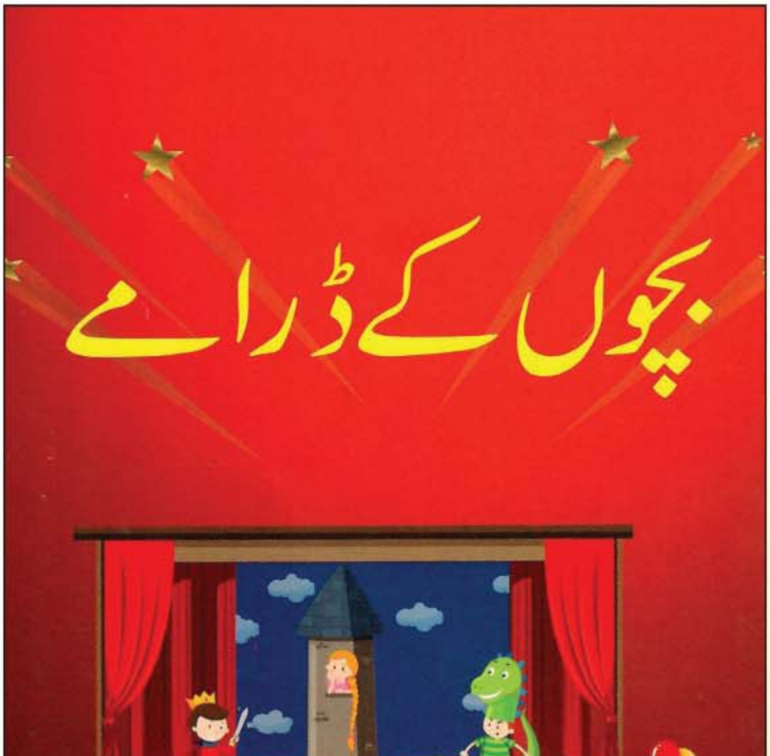

کہانیاں ہوں یا ڈرامے بچے انھیں بہت پسند کرتے ہیں۔ ہر عہد کے بچے اپنے دادا دادی اور بڑی عمر کے لوگوں سے دلچسپی کے ساتھ کہانیاں سنتے رہے ہیں۔ آج کے سائنٹی فک دور میں اگر چہ کہانیاں کہنے اور سننے کا رواج کم ہوا ہے ،ایسے ہی اسٹیج ڈراموں کے رواج میں بھی کمی آرہی ہے۔ مگر پھر بھی کسی نہ کسی شکل میں بچے آج بھی کہانیوں اور ڈراموں میں دلچسپی رکھتے ہیں۔ ٹی وی اور موبائل کی اسکرین پر بچے ایسے پروگرام شوق سے دیکھتے ہیں جنھیں ڈرامے کی ترقی یافتہ شکل کہا جاسکتا ہے۔اس کے علاوہ جب بھی انہیں اسکول میں اسٹیج ڈرامہ دیکھنے کا موقع ملتا ہے، وہ بے انتہا خوش ہوتے ہیں اور بہت غور سے اس میں حصہ لیتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ جس طرح بچے ڈرامے دیکھنا پسند کرتے ہیں،اسی طرح ڈرامے پڑھنے میں بھی دلچسپی رکھتے ہیں۔ ان کی اسی دلچسپی کا خیال رکھتے ہوئے قومی کونسل نے 'بچوں کے ڈرامے' کی اشاعت کی ہے جس کے مصنف اظہر افسر ہیں جو بچوں کے معروف ادیب ہیں اور ڈرامے/ کہانیاں لکھتے رہے ہیں۔

کتاب میں شامل زیادہ تر ڈرامے اپنے اندر اخلاقی درس رکھتے ہیں تاکہ بچے اخلاقیات کی اہمیت کو سمجھیں اور خوش اخلاق انسان بنیں۔'اخلاق' وہ شے ہے جو انسان کو اعلیٰ مقام تک پہنچاتی ہے۔اخلاق کے بغیر ایک اچھا انسان ہونے کا تصور نہیں کیا جاسکتا۔کتاب میں کئی ڈرامے سائنسی نوعیت کے

بھی ہیں تاکہ بچے سائنس کی معلومات حاصل کرنے کے ساتھ ساتھ سائنس کے موضوع کے ساتھ جڑ جائیں۔اس کتاب میں کل 12 ڈرامے ہیں جن کے عنوانات اس طرح ہیں:

(1) راکٹ کا نقشہ (2) چنانچہ (3) ننھی سی لڑکی (4) دو دوست (5) شکریہ (6) ایک روپیہ فی مکان (7) بڑے دنوں بعد (8) مچھلی کا شکار (9) محنت کا پھل (10) سیاہی صاف (11) موتی (12) بقلم خود۔سبھی ڈرامے پڑھنے سے تعلق رکھتے ہیں، اس لیے ان کے بارے میں مختصر طور پر جاننا دلچسپی سے خالی نہ ہوگا۔

'راکٹ کا نقشہ' ایک اہم ڈرامہ ہے۔اس میں انجینئر بڑی محنت سے راکٹ کا نقشہ تیار کرتا ہے، جسے چوری کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔اس ڈرامے سے پتہ چلتا ہے کہ سائنسی ایجادات کی کس قدر اہمیت ہے، خاص طور سے ان آلات ومصنوعات کی جو ملک کے لیے زیادہ اہم ہوتی ہیں۔ڈرامہ 'چنانچہ' کے کرداروں میں ایک بارہ سال کی لڑکی ہے، ایک دس سال کا لڑکا ہے، ایک چھ سال کا بچہ ہے، چالیس سال کی نوکرانی ہے۔رائے صاحب کی عمر پچاس سال ہے۔ ڈرامے کا عنوان دس سالہ لڑکے کا تکیۂ کلام 'چنانچہ' ہے ۔ڈرامہ 'دو دوست' انور اور ہریش کے گرد گھومتا ہے جو کہ باہم دوست ہیں۔'شکریہ' ایک دلچسپ ڈرامہ ہے۔اس ڈرامے میں جتنے بھی کردار ہیں ، وہ سب لالچی ہیں ۔ ڈاکٹر انتہائی چالاک ہے، وہ اپنے مفاد کے لیے منیم کو آڑو کے نقصانات بتاتا ہے، اور بچوں سے کہتا ہے کہ آڑو بہت ہی مفید پھل ہے۔ کیونکہ کسی نے بچوں کے ہاتھ تحفے میں اسے آڑو آڑو بھیجے تھے ۔بچے بھی کم چالاک نہیں ہوتے ، وہ ڈاکٹر کو آڑو دینے سے پہلے آٹھ آڑو صاف کر چکے ہوتے ہیں۔اس ڈرامے سے لوگوں کی سوچ سامنے آتی ہے کہ لوگ کتنے لالچی ہوتے ہیں کہ اپنے ذرا سے فائدے کے لیے دوسروں کو دھوکہ دینے میں ذرا بھی نہیں ہچکچاتے جب کہ ایسا کرنا بہت غلط ہے۔آدمی کو ایماندار ہونا چاہیے، جھوٹ سے بچنا چاہیے۔ پیش نظر کتاب میں شامل ڈرامہ 'ایک روپیہ فی مکان' میں تین کردار ہیں۔ایک کشور، دوسرا حامد اور تیسرا ایجنٹ۔ڈرامہ نگار نے جو پہلا منظر کھینچا ہے، اس سے ڈرامہ کی نوعیت کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے:"ایک چھوٹی سی دکان ہے جس پر بہت خوبصورت سا بورڈ لگا ہے' ایک روپیہ فی مکان' مکانات کے ہر قسم کے کاروبار کیے جاتے ہیں۔ایک بار ضرور ملیے"

ڈرامہ 'بڑے دنوں کے بعد' میں صرف دو کردار ہیں۔حامد اور منوہر۔ان دونوں کے درمیان بہت دلچسپ مکالمے ہوتے ہیں کہ انھیں پڑھتے ہوئے بے ساختہ ہنسی آتی ہے۔بچو! یہ ڈرامہ آپ کو بہت پسند آئے گا۔'مچھلی کا شکار' میں قدیر اور نجمہ مچھلی کے شکار کے لیے نکلتے ہیں۔یہ دونوں ہی بچے ہیں۔قدیر کی عمر بارہ سال ہے اور نجمہ کی عمر دس سال۔شکار کے اس سفر میں جو باتیں پیش آتی ہیں، وہ بہت دلچسپ ہوتی ہیں۔ان کو پڑھ کر بچے لطف اندوز ہوں گے۔بقیہ ڈرامے 'محنت کا پھل، سیاہی صاف، موتی اور بقلم خود بھی اچھے اور دلچسپ ڈرامے ہیں اور اپنے اندر بچوں کو سکھانے کا کافی مواد رکھتے ہیں۔

'بچوں کے ڈرامے' 124 صفحات پر مشتمل ہے اور اس کی قیمت 30 روپے ہے۔

■

چودہویں قسط

اردو زبان کا جادو

پیارے دوستو! 'بچوں کی دنیا' آپ سب کا اپنا رسالہ ہے۔ ہماری کوشش رہتی ہے کہ رسالے میں زیادہ سے زیادہ دلچسپ اور کارآمد تحریریں شائع کی جائیں۔ اِس رسالے کی اشاعت کا سب سے اہم مقصد یہ ہے کہ ہم اپنی زبان 'اردو' کو فروغ دیں اور زیادہ سے زیادہ لوگ اس زبان کو سیکھیں۔ کسی بھی زبان کو سیکھنے کے لیے اگر اس میں کھیل اور مزیے کو شامل کرلیا جائے تو سیکھنے میں دلچسپی بڑھ جاتی ہے۔ ہم نے اردو زبان کے لسانی کھیلوں پر مشتمل ایک سلسلہ شروع کیا ہے جو قومی اردو کونسل سے شائع کتاب 'اردو زبان کا جادو' سے لیا گیا ہے۔ امید ہے کہ آپ سب اس سلسلے کو پسند کریں گے۔ (ادارہ)

اِس ذہنی آزمائش کے جوابات اِسی شمارے میں آپ کو مل جائیں گے۔

(14) پینڈنٹ بنائیے

مقصد : علامتوں کی پہچان

ہدایت : اس ہار میں دیے گئے لفظوں میں چھ مختلف علامتوں کا استعمال کیا گیا ہے۔ ان علامتوں کو ہار کے پینڈنٹ میں لکھیے۔

کھلاڑی:1 وقت:2 منٹ نمبر:6

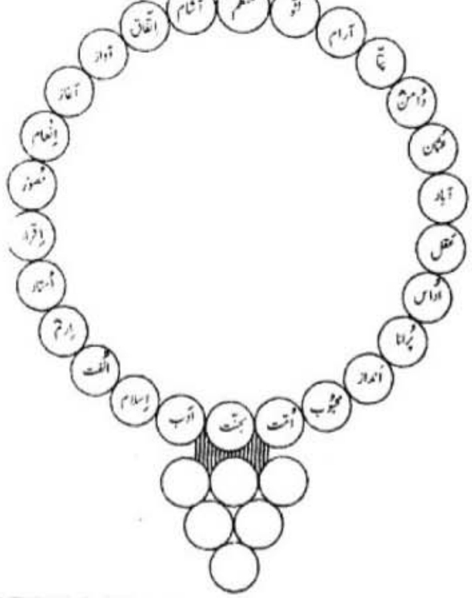

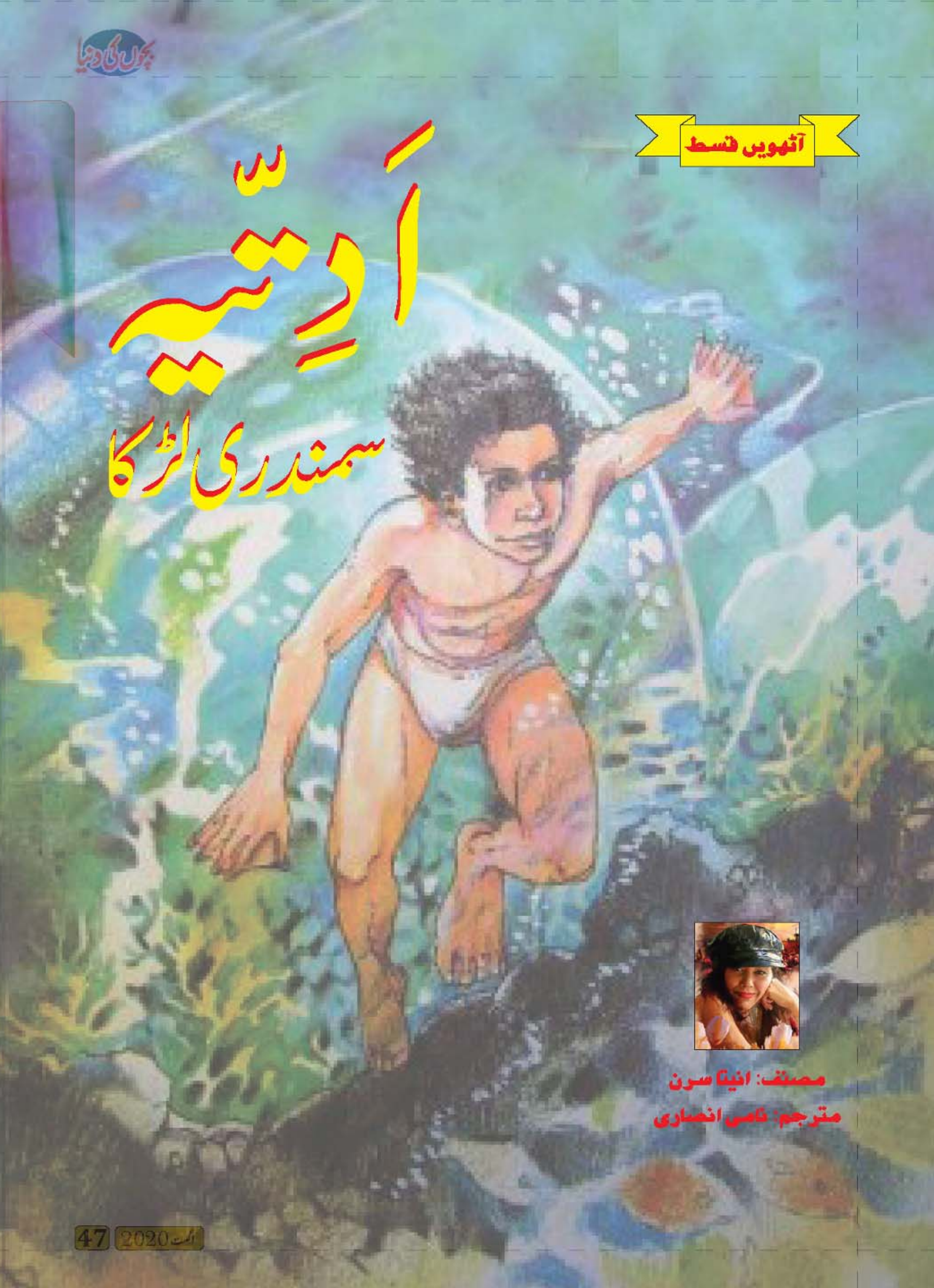

آٹھویں قسط

اَدِتّیہ

سمندری لڑکا

مصنف: انیتا سرن
مترجم: نامی انصاری

پروفیسر سین سمندر اور سمندری مخلوقات پر ریسرچ کررہے ہیں۔ انہوں نے اپنے جین سے ایک سمندری انسان تیار کیا تھا جو آدھا انسان اور آدھا ٹولفن ہے۔ جو انسانوں کی طرح بات کرتا ہے۔ ٹولفن کی باتیں سن سکتا ہے۔ انہیں جواب دے سکتا ہے، اس انوکھی مخلوق کا نام ادتیہ ہے۔ پروفیسر سین نے سمندر کی گہرائی میں دفن راز اور ٹولفن سے متعلق معلومات حاصل کرنے کے لیے اسے بنایا ہے۔پندرہ ٹولفن مچھلیوں نے طویل سفر شروع کیا تو ادتیہ ان مچھلیو ں کی 'لیڈر کی' کی پیٹھ پر بیٹھ کر سمندری سفر پر روانہ ہوگیا۔ سبھی لوگ آسٹریلیا پہنچ گئے۔ وہاں انہیں ڈاکوؤں کا ایک جہاز سمندر کی تہہ میں نظر آیا۔ جہاز کے کیپٹن کی لاش کے ہاتھ میں ایک لاکٹ تھا جس کے اندرایک کاغذ نکلتا ہے ۔اس میں اس شخص کا اپنی بیوی کے لیے پیغام ہوتا ہے۔ ادتیہ اُسے وہیں چھوڑ دیتا ہے۔ ٹولفن مچھلیاں ادتیہ کے گرد جمع ہوجاتی ہیں۔ کی نامی ٹولفن مچھلی ادتیہ کو سمندر کے بارے میں بہت سی باتیں بتاتی ہے جس سے سمندر، زمین اور ان سے متعلق بہت سے اسرار سامنے آتے ہیں۔ایک دن اس کی نظر نارنجی رنگ کی طشتری پرپڑتی ہے اور وہ اس کی حقیقت جاننے کی کھوج میں لگ جاتا ہے۔پھر پرنس اٹلان، ادتیہ، بادل دوست، کی اور شہزادی اٹلیا کی ملاقات ہوتی ہے۔ پودے نما کیڑے مکوڑوں، ٹولفن سے دوچار نیز برمودا کے تکون مندر کے بارے میں پتہ چلتاہے۔ اسی دوران ٹولفن نے ایک بچہ کی تفریح کا سامان فراہم کیا۔اورادتیہ نے تیسری آنکھ کے ذریعے قربانی کے مندر کے حیرت انگیز واقعات دیکھے۔ادتیہ نے غیر فطری انسان کا بھی مشاہدہ کیا۔اور لال رنگ کے گل بوٹے والی مینا بھی دیکھی۔آگے چل کر ادتیہ کی ایک جوگی سے ملاقات ہوئی۔جو سمندر میں اچھاخاصا وقت گزارنے کی صلاحیت رکھتا تھا۔جوگی نے ادتیہ کوبتایاکہ ایک انسان پانی میں دیر تک کس طرح رہ سکتاہے۔اس کے بعد ادتیہ نے جوگی کے ساتھ سمندر کے سفر کو جاری رکھا۔اس دوران اسے بہت سی عجیب وغریب چیزیں دیکھنے کو ملیں۔ اب آگے

اڑتا ہوا ڈَچ مین

جب ادتیہ، اپنے پتھر کے زمانے کی پوری کہانی اونا کو سنا چکا تو اس نے کہا" کیا تم جانتے ہو کہ مجھے کس چیز کا شوق ہے۔ میں ایک بار کسی جل پری کو دیکھنا چاہتی ہوں۔ ان کے بارے میں، میں نے بڑی اچھی اچھی کہانیاں سنی ہیں۔ میری پسند کی کہانیوں میں سے ایک کہانی وہ ہے جس میں ایک جَل پری اپنے عاشق کے لیے مرمٹی تھی۔

"جل پری ایک حقیقت ہے۔" جوگی نے ایک پاکیزہ مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔" وہ یقیناً بہت خوب صورت ہوتی ہے۔لیکن ان کے مرد لوگ دیکھنے میں بڑے خوف ناک لگتے ہیں۔ان کے بال سمندری گھاس کی طرح ہرے اور لمبے ہوتے ہیں۔ان کے دانت ہرے اور دھار دار اور ناک لال ہوتی ہے مگر وہ اچھے سبھاؤ کے لوگ ہوتے ہیں۔" "کیا میں کسی جل پری کو دیکھ سکتی ہوں؟" اونا نے بڑی بے صبری سے پوچھا۔

ادتیہ اس کو یہ بتانے ہی والا تھا کہ بغیر تیسری آنکھ کے، کوئی جل پری کو نہیں دیکھ سکتا کہ جوگی بول پڑا۔"بے شک تم جل پری کو دیکھ سکتی ہو میری بچی! ادتیہ! ذرا وہ تعویذ تو مجھے دینا۔"

ادتیہ نے تعویذ اپنے گلے سے اتار کر جوگی کو دے دیا اور جوگی نے اس کو اونا کے گلے پہنا دیا۔

''اب نہ صرف یہ کہ تم جل پری کو دیکھ سکو گی بلکہ ان کی سوچ سے بھی آگاہ ہوسکو گی۔'' ''لیکن تمھارے والدین تم کو تلاش تو نہیں کر رہے ہوں گے!؟'' نہیں! کیونکہ انھیں معلوم ہے کہ میں اپنی دیکھ بھال خود کرسکتی ہوں۔ میں قریب قریب اُمر ہوں کیونکہ میرے بدن میں ایسی ہڈی ہے ہی نہیں جو میرے گرنے ٹوٹ سکتی ہو۔'' اونا نے اگرچہ یہ بات ہنستے ہوئے کہی تھی مگر ادتیہ نے اس کے اندر چھپی ہوئی اداسی کو محسوس کرلیا تھا۔ اونا ایک ایسے سماج کی فرد تھی جہاں کے لوگ خود کو قریب قریب اُمر سمجھتے تھے۔ اسی لیے ان کے اندر پیار کا جذبہ بھی تقریباً ختم ہوگیا تھا۔ ادتیہ اس کے لیے غمگین تھا مگر اسی وقت جوگی بول اٹھا ''ہڈی نہ سہی، میری بچی! لیکن تمھارے پاس ایک اچھا دل اور ایک روشن دماغ ہے۔ تم پانچ منٹ کے اندر جل پری کو دیکھنے والی ہو۔ اس میں تھوڑے سے گیان دھیان کی ضرورت پڑتی ہے۔'' یہ کہہ کر جوگی نے اپنی آنکھیں بند کرلیں۔ ''بہت خوب صورت'' سمندر سے ایک سڈول روپہلے پیکر کو ابھرتے ہوئے اور مونگے کے پاس والے کھوہ سے ایک سنہری گھنٹی کی آواز سنتے ہوئے اونا نے کہا۔ ادتیہ نے بھی اس کو دیکھا۔ جل پری کی سبز آنکھیں بہت روشن تھیں اور اس کے بدن کی جلد موتیوں کے رنگ کی تھی۔ اس کے بال لمبے اور سنہرے تھے۔

''اس کا نام 'آرتھیا' ہے۔'' جوگی نے کہا ''آرتھیا! مجھے ہمیشہ سے یقین تھا کہ میں ایک نہ ایک دن ضرور تم سے مل سکوں گی۔'' اونا نے کہا ''کسی ایسے شخص سے ملنا یقیناً خوشگوار ہوتا ہے جو ہمارے وجود پر یقین رکھتا ہو۔'' کھوہ کی جانب تیرتے ہوئے آرتھیا نے جواب دیا ''آرتھیا سے مل کر اونا بہت خوش ہے۔'' ادتیہ نے کہا۔

جوگی ان دونوں کو خوش دیکھ کر بہت مطمئن نظر آتا تھا۔

''ایک طوفان آرہا ہے۔'' آرتھیا بولی۔ یہ ان طوفانوں میں سے ایک ہے... '' کیا مطلب؟'' ادتیہ نے آسمان کا رنگ گہرا ہوتے اور تیز ہوا میں اپنے بالوں کو تیزی سے اڑتے ہوئے بالوں کو دیکھ کر کہا۔ آرتھیا نے ایک بھوت آکار کی طرف اشارہ کیا جو اپنے آپ ہی پھولتا اور بڑھتا جا رہا تھا۔ ''یہ تو کوئی بھوت جہاز معلوم ہوتا ہے۔'' ادتیہ نے پہاڑی چٹان کی طرف جاتے ہوئے کہا۔ اسی وقت کسی کی رونے جیسی ایک بھیانک آواز گونجی جس سے ان کے خون خشک ہوگئے۔ ''یہ اڑتے ہوئے ڈچ مین کی عذاب میں مبتلا روح ہے۔'' آرتھیا بولی۔

''بہت پہلے جب اس کا جہاز تباہ ہوکر بیٹھ گیا تھا تو اس نے شیطان کو اپنی روح دے کر، اس کے عوض اس سے ہوا مانگی تھی۔ تب سے اب تک وہ شیطانی ہوا کے آگے آگے چلتا ہے۔'' ''یہ تو بڑی خوفناک صورت حال ہے۔ کیا ہم اس کی کوئی مدد نہیں کرسکتے؟'' اونا نے اپنی آنسو بھری آنکھوں کو پونچھتے ہوئے کہا ''ضرور کرسکتے ہیں۔ ادتیہ نے جواب دیا۔ اس دوران طوفان کی تیزی کم ہوگئی اور وہ بھوت جہاز بھی نظروں سے غائب ہوگیا۔'' شاید وہ لوگ جو صدیوں سے سمندر کے کنارے سوئے ہیں، تمھاری کچھ مدد کرسکیں۔ وہ جادوگر ہیں۔''

''کیا آپ مجھے راستہ بتائیں گے!'' ادتیہ نے جوگی سے پوچھا ''تمھارا خیال تو نیک ہے لیکن کیا تم سمندر کی ان گہرائیوں تک جاسکتے ہو جہاں خوفناک شارک مچھلیاں رہتی ہیں۔ وہاں تمھارے لیے بہت خطرہ ہے۔''

''کوئی بات نہیں۔ لیکن مجھے اس اڑنے والے ڈچ مین کی مدد کرنا ہے۔'' ''ہوشیار رہنا ادتیہ! اونا نے اس کا حوصلہ بڑھاتے ہوئے کہا۔

جب وہ اس جگہ پہنچے تو آرتھیا آگے بڑھتے ہوئے ادتیہ سے بولی ''شارکوں سے خبردار رہنا۔ وہ سمندر کی اس گہرائی میں رہتی ہیں جہاں سورج کی روشنی کبھی نہیں پہنچتی۔ ادتیہ نے اپنی

ہمت جتائی۔ اس کے پاس تلوار تو تھی ہی، کی نے اس کو شارک سے نمٹنے کا طریقہ بھی سکھا دیا تھا۔ کارڈینل مچھلی کی روشنی میں سرکل تک پہنچ گیا۔ اس نے وہاں کچھ بھدی قسم کی مچھلیاں دیکھیں جن کی آنکھیں ابل رہی تھیں۔ وہاں کچھ قبروں کو دیکھ کر ادتیہ کو خوف محسوس ہوا۔ ایک لمبی کالی بام مچھلی، کسی آنکھ کے سوراخ سے باہر نکلی۔ ادتیہ نے ایک قبر پر جھکتے ہوئے کہا "کیا آپ میری بات سن سکتے ہیں؟" "کون بول رہا ہے"

ایک پتھریلی آواز نے کہا اور قبر اپنی جگہ چٹکنے لگی۔ ادتیہ تھوڑا پیچھے ہٹ آیا۔ "اس نے کہا میں ادتیہ ہوں۔ میں آپ سے تھوڑی سی مدد مانگنے آیا ہوں۔" "تم نے مجھے صدیوں کی گہری نیند سے جگا دیا۔ بتاؤ کیا چاہتے ہو!"

لوگ کہتے ہیں کہ صرف آپ ہی ایسے ہیں جو اُڑتے ہوئے ڈچ مین کی آتما کو شیطان کے چنگل سے نجات دلا سکتے ہیں۔ اس نے ہوا کے عوض اپنی روح شیطان کو بیچ دی تھی اور جب سے اب تک وہ اس کے چنگل میں ہے۔ میں نے اس کو روتے ہوئے سنا ہے اور مجھے اس پر بڑا ترس آیا۔" ایک ٹوٹا پھوٹا ہاتھ کا پنجہ قبر سے باہر نکلا۔ اس کے بعد پتھروں کی بارش ہوئی اور پھر وہ صدیوں کا سویا ہوا آدمی اپنے دونوں ہاتھ پھیلائے ہوئے قبر سے باہر آ گیا۔ ادتیہ کانپ گیا۔ جادوگر دیکھنے میں بڑا ڈراؤنا معلوم ہو رہا تھا۔ وہ چیتے کی کھال پہنے ہوئے تھا اور اس کی سیاہ جلد پر عجیب و غریب نشانات پڑے ہوئے تھے۔ اس کا پورا سراپا خوفناک تھا لیکن اس کی سیاہ آنکھوں میں نرمی اور مروت تھی۔ اس کے لمبے سفید بال اس کے سر کے آگے پیچھے جھول رہے تھے۔ "کچھ اور مانگ لو بچہ! میں شیطان سے ڈچ مین کی روح واپس نہیں لے سکتا۔" ادتیہ سکتے میں آ گیا۔ وہ جادوگر سے کچھ بھی مانگ سکتا تھا۔ اپنے پاپا

کی حفاظت اور کامیابی، اونا کی خوشی، یہاں تک کہ ان کی کی واپسی "لیکن..... میں کبھی خوش نہیں رہ سکوں گا۔ کیونکہ مجھے ہمیشہ یہ محسوس ہوتا رہے گا کہ میں نے اڑنے والے ڈچ مین کو دھوکا دیا ہے۔" ادتیہ نے اپنے آپ سے کہا۔ "کیا دوسری ایسی کوئی چیز نہیں ہے جسے تم مانگ سکو؟" جادوگر نے اس سے پوچھا۔

"میں ناکام ہوگیا ہوں۔ میں نے کبھی اس طرح کی ناکامی کے بارے میں سوچا تک نہیں تھا۔" تم نے کسی کی مدد کرنا چاہی تھی۔ تم نے کوشش کی لیکن کبھی نہ کبھی ہر کوئی ناکام ہوجاتا ہے۔ اس سے کامیابی کی اہمیت اور زیادہ بڑھ جاتی ہے۔ جادوگر نے اس کو تسلی دیتے ہوئے کہا۔ ادتیہ کو جادوگر کی بات بہت پسند آئی۔ "اب تم کیا کرو گے جب کہ تم صدیوں کی نیند سے جاگ چکے ہو۔" "میں اپنے لوگوں کے پاس واپس لوٹ جاؤں گا۔ میں اس حملے کے بارے میں خواب دیکھ رہا تھا جب سونے کے لالچی بدیسیوں نے ہمارے جنگلوں کو کاٹ ڈالا تھا۔ میں تمھاری کوئی مدد نہیں کرسکا۔ اس کے لیے میں معافی چاہتا ہوں۔"

"لیکن تم صدیوں سے یہاں کیوں سو رہے ہو؟" جادوگر اپنی قبر کے ملبے سے ایک کمان اور تیروں کا تھیلا اٹھانے کے لیے جھکا اور بولا "ہم جان بوجھ کر برف کے اندر سو گئے تھے تاکہ ہم اس وقت جاگ سکیں جب ہم اس کی ضرورت محسوس کریں۔ ہم نے موت کو دھوکہ دیا تھا۔" ادتیہ کو جوگی کی بات یاد آگئی۔ اس نے جادوگر کو یہ بات بتانی چاہی لیکن وہ آگے جاکر دوسری قبروں کے درمیان گم ہو چکا تھا۔

ادتیہ اوپر کی طرف چڑھنے لگا لیکن اس نے لوہے کی رنگت والے اس جسم کو نہیں دیکھا جو اس کی ایڑیوں کے نیچے اپنا بڑا سا جبڑا کھولے اپنی ریتی جیسے دانتوں کو دکھا رہا تھا۔ اس کی ہلکی سی آواز نے ادتیہ کو چوکنا کردیا۔ وہ اپنی تلوار نکالنے ہی والا تھا کہ اس نے کسی تیر کے چلنے کی آواز سنی جو اس جانور کے پیٹ میں گھس گیا تھا۔ شارک تڑپنے لگی اور اس کے خون سے وہاں کا پانی لال ہوگیا۔ اس نے کچھ فاصلے سے دوسری کئی شارک مچھلیوں کو دیکھا جو اس مرنے والی شارک کے گرد جمع ہوگئی تھیں۔

ادتیہ، جادوگر کا قصہ اونا کو بتا ہی رہا تھا کہ ایک بھاری بادل کے ٹکڑے نے ان کے اوپر برسنا شروع کردیا۔ اس وقت وہ دونوں مونگے والے کھوہ کے دروازے پر بیٹھے تھے۔ "بادل دوست!" ادتیہ نے بادل کے ٹکڑے پر نگاہ ڈالتے ہوئے کہا۔ اس کے بعد بارش کا پانی ایک کنڈلی کی صورت میں ادتیہ کے پیروں سے لپٹ گیا۔ اونا نے اسے غور سے دیکھا۔ "اچھا تو یہ بادل دوست ہے جو بادل کی صورت میں دنیا کا سفر کرکے بارش کی صورت میں پھر سمندر میں واپس آجاتا ہے۔" اس نے اپنا دماغ، اس کے دماغ کے چینل سے ملا دیا اور اس کے خوب صورت 'نئے پرانے' چہرے کو دیکھنے لگی۔ "میں اچھی اور بری دونوں طرح کی خبر لے کر آیا ہوں۔ لیکن پہلے اچھی خبر!" بادل دوست نے کہا "کیا تم میرے پاپا سے مل چکے ہو؟"

ادتیہ نے پوچھا "بالکل! میں بارش کی صورت میں ان کی کھڑکی کے شیشے پر برسا اور ان سے کہا "میں بادل دوست ہوں۔ میں تمھارے بیٹے کو جانتا ہوں۔" وہ اپنی لیب سے باہر آکر دیکھنے لگے کہ کون ان سے باتیں کررہا ہے۔ پھر انھوں نے مجھ سے کہا "اگر تم واقعی میرے بیٹے کو جانتے ہو تو تم اس سے کہنا کہ میں اسے بہت پیار کرتا ہوں اور اس کی جدائی سے دکھی ہوں لیکن اس سے کہنا کہ ہم جلد ملیں گے۔ یہ میرا وعدہ ہے۔" میں نے تمھارے پاپا سے کی اور اٹلانٹس کے بارے میں بھی بتایا۔ انھوں نے کہا بادل دوست! تمھارا بہت بہت شکریہ!"

اب ایک بری خبر... دنیا میں جلد ہی ایک ایٹمی جنگ شروع ہونے کے آثار ہیں۔" بادل دوست نے ذرا گمبھیر ہو کر کہا۔ اوما نے ہانپتے ہوئے ادتیہ کا ہاتھ پکڑ لیا۔ کیا پرنس اٹلان کو اس کی خبر ہے؟" ادتیہ نے اونا کا ہاتھ مضبوطی سے تھامتے ہوئے بادل دوست سے پوچھا۔

"میں نے ان سے بھی بتا دیا ہے۔ ان کے جہازوں نے یہ خبر پہنچائی ہے مگر وہ اس میں کچھ نہیں کر سکتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ اٹلانٹس پر جو کچھ گزر چکا ہے وہ دوبارہ بھی گزرے گا۔" "تمھارا مطلب یہ ہے کہ اٹلانٹس بھی ایٹمی دھماکوں سے ڈوب جائے گا؟" ایٹمی دھماکے کر کے انھوں نے طوفانوں اور زلزلوں کی تباہی کی دعوت دی ہے۔ پرنس اٹلان انسانوں اور درختوں بلکہ جانوروں کو بھی شفا تو دے سکتے ہیں مگر وہ انسانوں کے دماغ کو نہیں بدل سکتے۔" اس وقت جوگی بھی اپنی کھوہ سے باہر آ گیا۔ وہ بھی افسوس سے ہاتھ مل رہا تھا۔

"اصلیت میں یہ کلجگ ہے۔ وہ اب کس کے لیے لڑ رہے ہیں؟"

"زمین پر اقتدار حاصل کرنے کے لیے؟" بادل دوست نے جواب دیا۔

"میری سمجھ میں نہیں آتا کہ وہ کیوں اس کے لیے دوسرے کو تباہ کرنے پر آمادہ ہیں کہ یہ زمین کس کی ہے۔ یہ زمین تو دراصل کسی کی نہیں ہے۔ ٹھیک ویسے ہی جیسے آسمان کسی کا نہیں ہے۔"

"اگر ایٹمی جنگ ہوئی تو میں جانتا ہوں کہ اس کا انجام کیا ہوگا۔" ادتیہ نے بے چینی سے کہا۔ ایٹمی ہتھیار اس قدر گرمی اور تابکاری پھیلائیں گے کہ ہر زندہ شے جل کر بھسم ہو جائے گی۔ اگر کوئی جاندار بچ بھی گیا تو اس کی صورت بدل جائے گی اور وہ ہر دم موت کی آرزو کرنے لگے گا۔ سمندر کھولنے لگیں گے اور ان کے اندر کا سب کچھ تباہ ہو جائے گا۔ قطب شمالی اور قطب جنوبی کی برف پگھل کر بہنے لگے گی اور ایک زبردست سیلاب آ جائے گا۔ دھواں سورج کو پوری طرح ڈھک لے گا اور زمین پر بے پناہ سردی پڑنے لگے گی۔"

"میں اس تباہی کی فہرست میں کچھ اور اضافہ کر سکتا ہوں" بادل دوست بولا۔ "کیا ہم کسی ایسی جگہ نہیں جا سکتے جہاں ہم محفوظ رہ سکیں!" اونا نے کپکپاتے ہوئے کہا۔

"ہم پرنس اٹلان کے خلائی جہاز میں کسی دوسرے سیارے میں جا سکتے ہیں مگر یہ بزدلی ہوگی۔"

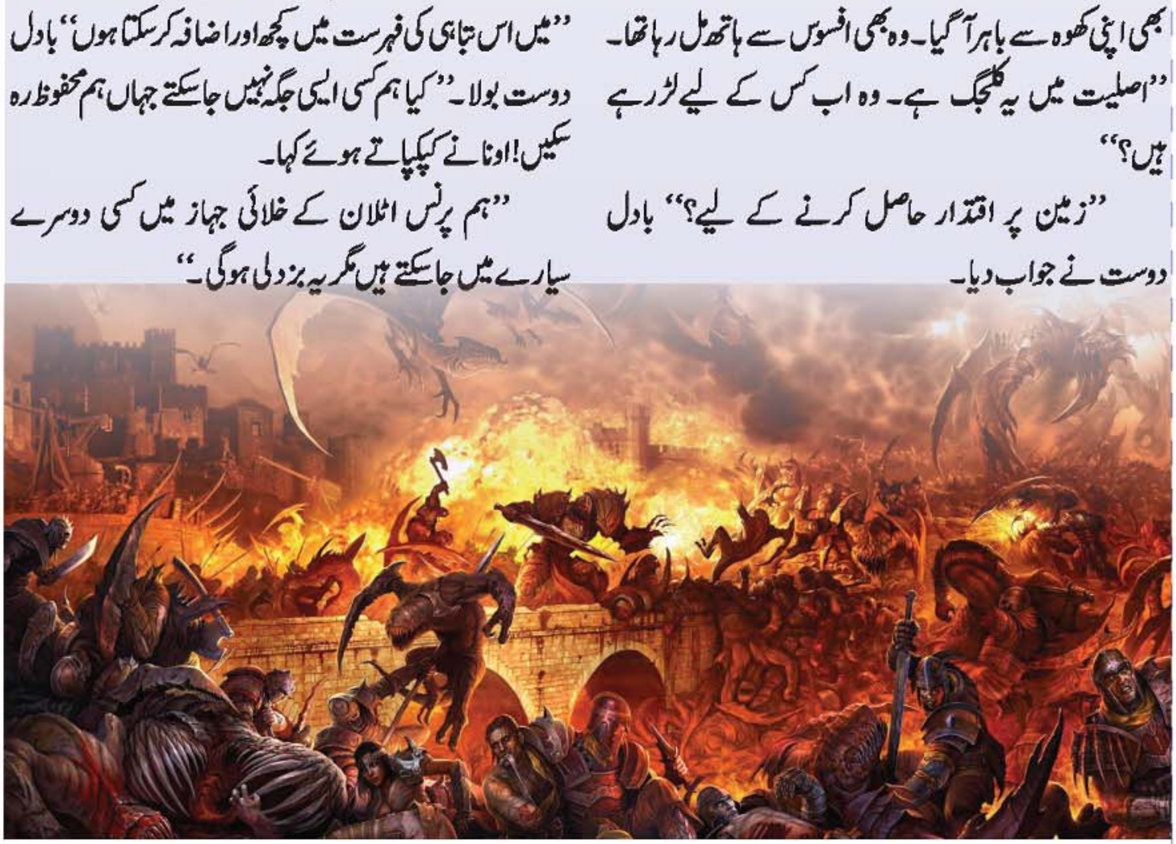

جوگی نے اپنی گہری سوچ سے باہر آ کر جواب دیا۔ ''شاید میں انسان کے دماغ سے ایٹمی جنگ کا خیال ختم کر سکتا ہوں۔''برمودا کے تکونے مینار کے اوپر کا ''مقدار خیال مرکز'' مجھے وہیں جانا پڑے گا۔''

لیکن اس صورت میں تم اپنا جسم گنوا دو گے اور ایک انرجی میں بدل جاؤ گے۔'' ایک دن سب کو اپنا ظاہری جسم کھو دینا ہے تا کہ ہم دماغ کی انرجی کی صورت میں زندہ رہ سکیں۔ اگر میں نے دنیا کو بچانے کے لیے اپنا جسم ضائع بھی کر دیا تو کیا فرق پڑے گا۔ میرے یوگ کا کیا فائدہ اگر میں اس کو لوگوں کی بہتری کے لیے استعمال نہ کر سکا۔ نہیں! اب دوسرا کوئی راستہ باقی نہیں ہے۔''

میں تمھارے حوصلے کی تعریف کرتا ہوں۔'' یہ حوصلے اور ہمت کی بات نہیں ہے بچہ! پیار کی بات ہے اور میں تم سب کو پیار کرتا ہوں۔ اچھا اب مجھے فوراً جانا چاہیے۔ وقت بہت کم رہ گیا ہے۔''

''لیکن اگر میں جاؤں تو؟'' ادتیہ نے کچھ شرمساری کے ساتھ پوچھا۔ ''تمھارا یہ ظاہری جسم اس تیزی سے بدل جائے گا کہ تمھارے پاپا بھی تمھیں نہیں پہچان سکیں گے۔ پھر تم یہ بات دنیا کے سامنے کس طرح ثابت کر سکو گے کہ تمھارے پاپا نے دنیا کا پہلا سمندری لڑکا بنایا ہے۔ نہیں ادتیہ! تمھاری یہاں ضرورت ہے۔ اس کے علاوہ صرف میں ہی اس برائی کو دور کر سکتا ہوں۔ اچھا اب رخصت!

میں جہاں بھی رہوں گا تم سے پیار کرتا رہوں گا۔''

ایٹمی آسیب

جوگی نے جیسے ہی تکونے مندر (پیرامڈ) کے اوپر ممنوعہ پانی میں تیرنا شروع کیا۔ اس کے جسم کی کھال بجلی کے شاک سے جھنجھنانے لگی۔ بادل دوست اس کے ساتھ تھا اور جب اس نے جوگی کے بدن کو ایک ہرے رنگ کی دھند کی لپیٹ میں آ کر دھندلا ہوتے دیکھا تو وہ بھی کچھ ڈر گیا۔ جوگی نے اپنے آخری الفاظ میں اس کا شکریہ ادا کیا اور کہا کہ دنیا کا اس پر قرض تھا جو وہ اس قربانی کی صورت میں ادا کر رہا ہے۔ اس کے بعد ہی جوگی اپنے جسم کے ساتھ غائب ہو گیا۔

جوگی نے محسوس کیا کہ جیسے وہ 'ٹائم گیٹ' میں دوبارہ سفر کر رہا ہے۔ اب وہ صرف انرجی تھا اور روشنی کی رفتار سے سفر کر رہا تھا۔ کچھ لمحوں کے بعد اس نے ایک بے ترتیب سی شکل دیکھی۔ ''ہر چیز کے اپنی جگہ مقرر ہونے سے پہلے یہ پوری کائنات بھی اسی طرح بے ترتیب رہی ہو گی۔'' اس نے سوچا۔

وہ اس وقت ایک بڑی نیلی جھیل میں گھٹنوں تک پانی میں کھڑا تھا۔ جھیل کے بیچ میں ایک بہت بڑا سفید رنگ کا قلعہ ابھر آیا تھا۔ اس کے سفید سنگ مرمر بار بار عجیب وغرب رنگ بدل رہے تھے۔ اس نے گینڈے کی طرح کے جانور دیکھے جو اپنے پروں سے اڑتے ہوئے برفیلے پہاڑ کی طرف جا رہے تھے۔ جب وہ قریب سے گزرے تو جوگی نے دیکھا کہ وہ سب اندھے تھے۔ اس نے اپنے بائیں طرف نظر ڈالی تو پائلٹ کی وردی میں کوئی ساحل پر بیٹھا ہوا دکھائی پڑا جو خاموشی سے جھیل کی طرف گھور رہا تھا۔ جوگی نے اس کی طرف جاتے ہوئے سوچا کہ میں اگرچہ صرف انرجی ہوں مگر میرا دماغ پہلے ہی کی طرح زندہ اور سلامت ہے۔ اگر میں یہاں پھنس گیا تو بھی ادتیہ کو پیغام تو بھیج ہی سکتا ہوں اور یہ چیز بہت اہم ہے۔ اس نے خود پر ایک نظر ڈالی تو پایا کہ اس کے ہاتھ دکھائی پڑ رہے ہیں۔ اس کو اپنے پیر بھی نظر آنے لگے۔ اس کو پتہ چل گیا کہ ادتیہ اس کے بارے میں سوچ رہا ہے، اسی لیے وہ اپنے فارم میں واپس آ گیا ہے۔ وہ اداسی سے مسکرایا۔ ''پائلٹ! کیا تم میری آواز سن سکتے ہو؟'' آدمی نے اس کو دیکھا اور پوچھا ''کیا تم نے مجھ سے کچھ کہا؟''

''ہاں، دماغ سے دماغ تک کے چینل سے'' جوگی نے جواب دیا ''تم پہلے شخص ہو جس نے مجھ سے بات کی ہے۔'' کیا تم بتا سکتے ہو کہ میں اس وقت کہاں پر ہوں!'' اس کی آنکھوں سے مایوسی جھلک رہی تھی۔ ''ہم یہاں مقدارِ خیال کی دنیا میں ہیں میرے دوست! یہ دنیا خیالات کے جسموں سے بھری ہوئی ہے۔ سپنے، خواہشات اور زمین کے لوگوں کا خوف! یہ لوگ صرف آدھے زندہ ہیں یہ نہ بول سکتے ہیں نہ کچھ کر سکتے ہیں، جب تک کہ ان کا بنانے والا کافی طاقت سے نہ سوچے۔''

جوگی نے پائلٹ کو بتایا ''اچھا اچھا! یہ ڈراؤنے سپنوں کے ایٹمی آسیب ہیں۔ انھوں نے میرے ساتھی پائلٹ کو ایک انگلی کے اشارے سے ختم کر دیا۔ پائلٹ نے بڑی اداسی سے بتایا۔

یہ ایٹمی آسیب بڑے طاقتور دماغوں نے بنائے ہیں۔ میں انھیں ختم کرنے کے لیے ہی یہاں آیا ہوں۔ جوگی نے ملائمت سے جواب دیا ''مگر تمھارے پاس تو کوئی ہتھیار بھی نہیں ہے۔'' میرا دماغ ہی وہ ہتھیار ہے جس کی مجھے ضرورت ہے۔'' جوگی نے ایک پھیکی سی مسکراہٹ کے ساتھ جواب دیا۔

''اور میں! کیا میں اصلیت میں وہی آدمی ہوں جو ایک ہفتہ پہلے سمندروں کے اوپر اڑان بھر رہا تھا؟'' ''نہیں! تم بھی میری طرح صرف ایک انرجی ہو۔ ہم دونوں برمودا مندر کی ریڈیائی لہروں کی وجہ سے انرجی میں تبدیل ہو چکے ہیں۔ ہم صرف اس لیے دکھائی پڑتے ہیں، کیونکہ زمین پر کوئی ہمیں یاد کر رہا ہے۔'' ''برمودا مندر! میں تو سمجھتا تھا کہ یہ محض ایک خیالی چیز ہے۔''

''اگر ہم نے ایٹمی آسیبوں کو ختم نہ کر دیا تو یہ زمین ایٹمی جنگ سے بچ نہیں سکتی۔'' ''کیا تم مجھے ڈراؤنے سپنوں کے غار میں لے جا سکتے ہو؟ اب وقت بہت کم ہے۔'' ''ہاں لے تو جا سکتا ہوں۔ مگر میرا مشورہ ہے کہ تم یہیں ٹھہرو۔ مجھ پر کیا گزرتی ہے، اس کی مجھے فکر نہیں کیونکہ میرے پاس نہ جسم ہے، نہ بھوک، نہ درد۔ زمین پر ایسے لوگ ہیں جن سے میں پیار کرتا ہوں اور میں ان کو ایک خوفناک ایٹمی جنگ کی تباہ کاریوں سے بچانا چاہتا ہوں۔'' ''اپنے پیاروں کو بچانے کے لیے میں تمھارا احسان مانوں گا۔'' پھر وہ ان پیڑوں کے پاس سے گزرے جن میں ہیرے جواہرات کے پھل لگے ہوئے تھے۔ ''اس پھل میں کیا خوبی ہے جس کو تم کھا ہی نہیں سکتے۔'' جوگی نے سوچا۔ وہاں میزوں پر بہترین کھانے، سرخ شرابوں کے ڈھیر، خوب صورت چمکتی کاریں، ہمکتے ہوئے بچے، قیمتی خزانوں سے بھرے ہوئے صندوق اور خوب صورت باغات موجود تھے۔ مرد و عورت سبھی حسین اور مکمل۔ جب وہ دھوئیں کے غار کے پاس پہنچے تو پائلٹ کا چہرہ زرد ہو گیا۔ ہوا میں دھوئیں کی بدبو پھیلی ہوئی تھی۔ ''میں اب اور آگے نہیں جاؤں گا۔ میں یہیں باغ میں تمھارا انتظار کرتا ہوں۔ گڈ لک!''

جوگی نے غار کے پاس پہنچ کر اندر جھانکا۔ اس نے دیکھا کہ وہاں بڑے بڑے خوفناک اجگر بل کھا رہے ہیں اور آگ اگلتے ہوئے جن ناچ رہے ہیں لیکن ان سے بھی زیادہ ڈراؤنے وہ ایٹمی آسیب تھے جو نیچے سے اوپر کی طرف دوڑ رہے تھے۔ ان کی آنکھوں میں سفاکی اور بے رحمی تھی۔ جوگی نے دیر نہیں کی۔ اس کے ماتھے پر روشنی کا ایک گہرا ہالہ نمودار ہوا۔ ایٹمی آسیبوں کے پنجے اس کی طرف بڑھے لیکن جوگی نے بڑی تیزی سے اپنی تیسری آنکھ کی روشنی کے تیر کو ان کے اوپر چلا دیا۔ وہ آگ کے شعلوں میں تبدیل ہو کر نیچے غار میں گر گئے اور اپنے ساتھ وہاں کے دوسرے آسیبوں کو بھی جلا کر راکھ کر دیا۔

جاری

■

ماخذ: اَدتیہ - سمندری لڑکا، مصنف: انیتا سرن، مصور: سُبیر رائے، مترجم: نامی انصاری، ناشران: (1) چلڈرن بک ٹرسٹ (2) قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، نئی دہلی (3) بچوں کا ادبی ٹرسٹ

سبق آموز کہانیاں

فاقہ کرنا اور کم کھانا اچھا ہے

ملک خراسان کے رہنے والے دو درویشوں میں بہت دوستی تھی۔ ایک دوسرے کا ساتھ نہیں چھوڑتے تھے۔ سفر میں بھی دونوں ساتھ ساتھ رہتے تھے۔ ان میں ایک بہت ضعیف اور کمزور تھا۔ دو راتیں گزار کر تیسری رات کو کھانا کھاتا تھا اور دوسرا طاقتور تھا وہ دن میں تین بار کھانا کھاتا تھا۔ اتفاق سے ایک بار ایک شہر میں داخل ہوتے وقت دونوں جاسوسی کے الزام میں گرفتار ہوگئے۔ دونوں کو قید خانہ کی کوٹھری میں بند کردیا گیا اور دروازہ کو مٹی سے لیپ دیا گیا۔ چند دن بعد چھان بین کرنے پر معلوم ہوا کہ دونوں بے خطا ہیں۔ کوٹھری کھولی گئی تاکہ ان کو رہا کردیا جائے۔ دیکھا گیا تو طاقت ور درویش کا انتقال ہوچکا تھا اور ضعیف درویش زندہ تھا۔ لوگوں کو بہت تعجب ہوا۔ ایک عقل مند شخص نے دیکھا تو کہا اگر طاقت ور زندہ رہتا اور ضعیف مرجاتا تب تعجب کی بات ہوتی کیونکہ وہ بہت زیادہ کھانے والا تھا اس لیے فاقہ برداشت نہ کرسکا اور مرگیا اور یہ ضعیف صبر کرنے کا عادی تھا، اس نے اپنی عادت کے موافق قید میں بھی صبر کیا اور مرنے سے بچ گیا!

جب کسی کی عادت کم کھانے کی پڑجاتی ہے تو اس کے لیے غذا نہ ملنے کی تکلیف آسان ہوجاتی ہے وہ برداشت کرلیتا ہے۔

اور جو زیادہ کھانے اور آرام کا عادی ہوتا ہے اگر اس کو کہیں کھانا نہ ملا تو بھوک کی سختی سے مرجاتا ہے!

مانگنا بری عادت ہے

تاتاریوں سے لڑتے ہوئے ایک بہادر جوان زخمی ہوگیا۔ ایک شخص نے اس سے کہا کہ فلاں تاجر کے پاس زخم کی دوا موجود ہے اگر تم اس سے مانگو گے تو انکار نہ کرے گا۔ کہتے ہیں کہ وہ تاجر بہت کنجوس مشہور تھا۔

اس زخمی جوان نے جواب دیا۔ اگر میں اس سے دوا مانگوں تو ممکن ہے دے دے اور اس سے مجھے فائدہ بھی ہوجائے۔ یا نہ دے لیکن میرے لیے مانگنا ایسا ہی ہے جیسے تیز زہر کھالینا!

کمینوں کی خوشامد کرکے اگر کوئی چیز حاصل کرلی تو جسم کو فائدہ پہنچے گا مگر اس ذلت کی وجہ سے روح کو نقصان پہنچے گا۔

عقل مندوں نے کہا ہے کہ عزت گنوا کر آبِ حیات بھی ملے تو نہ لینا چاہیے۔ عزت کی موت مرجانا ذلت کی زندگی سے بہتر ہے!

خوش مزاج آدمی کے ہاتھ سے ایلوا جیسا کڑوا پھل کھالینا اچھا ہے مگر کسی بدمزاج کے ہاتھ سے مٹھائی کھانا اچھا نہیں۔

جو ملے اس پر صبر و شکر کرو

میں نے کبھی زمانہ کے ناموافق حالات کی شکایت نہیں کی۔ نہ کبھی تکلیفوں پر اظہار ناگواری کیا جس حال میں رہا خوش رہا اور خدا کا شکر ادا کرتا رہا کہ کہیں اس سے بھی زیادہ پریشانی میں

نہ مبتلا ہو جاؤں۔ خدا نے جس حال میں رکھا اس پر صبر و شکر کیا لیکن جس وقت میرے پاؤں ننگے تھے، جوتا بھی میسر نہ تھا میں بہت پریشان اور ننگے پاؤں دمشق کی جامع مسجد پہنچا۔ وہاں میں نے ایک شخص کو دیکھا جس کے پیر ہی نہیں تھے۔ اس کو دیکھ کر میں نے خدا کا شکر ادا کیا اور اپنے ننگے پیروں پر صبر کیا!

جس شخص کا پیٹ بھرا ہوا ہوتا ہے اس کو بھنا ہوا مرغ بھی ساگ پات کے برابر معلوم ہوتا ہے اور جس شخص کو اچھا کھانا میسر نہیں ہے اس کے لیے ابلا شلجم بھی بھنے ہوئے مرغ کے برابر ہے!

ماں کا دل نہ دکھاؤ

جوانی عمر میں ایک بار میں اپنی ماں پر چلایا۔ وہ بہت رنجیدہ ہو گئیں اور مکان کے ایک گوشہ میں بیٹھ کر رونے لگیں اور مجھ سے مخاطب ہو کر کہا۔ اے میرے بیٹے! کیا تم اپنے بچپن کا زمانہ بھول گئے، جب تم کمزور اور بے بس تھے؟ آج مجھ سے ایسی سختی اور بدتمیزی کا برتاؤ کر رہے ہو!

ایک بوڑھی ماں نے اپنے بیٹے سے اس وقت کیا اچھی اور سچی بات کہی جب وہ بہت طاقت ور اور بہادر نظر آتا تھا:

اے بیٹے! اگر تجھ کو اپنا بچپن یاد آتا کہ جب تم میری گود میں بے بس تھے تو پھر تم مجھ پر سختی نہ کرتے اب تو تم طاقت ور ہو اور میں کمزور بڑھیا!

■

ماخذ: گلستاں کی کہانیاں، **مصنف:** امیر حسن نورانی، **پانچویں طباعت:** 2014، **ناشر:** قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، نئی دہلی

عزت دوبارہ نہیں ملتی

علم، دولت اور عزت تینوں دوست تھے۔ ایک مرتبہ ان کے بچھڑنے کا وقت آ گیا، علم نے کہا: مجھے درسگاہوں میں تلاش کیا جاسکتا ہے۔ دولت کہنے لگی مجھے امرا اور بادشاہوں کے محلات میں تلاش کیا جاسکتا ہے۔ عزت خاموش رہی، علم اور دولت نے عزت سے اس کی خاموشی کی وجہ پوچھی تو عزت ٹھنڈی آہ بھرتے ہوئے کہنے لگی کہ جب میں کسی سے بچھڑ جاتی ہوں تو دوبارہ نہیں ملتی۔

■

مرسلہ: ایمن الطاف حسین اطہر، درجہ ہفتم، جی یو ایچ پی اسکول، بیل ہونگل، کرناٹک

چمن چمن کے پھول

انسان کو انسان سے کینہ نہیں اچھا
جس سینے میں کینہ ہو وہ سینہ نہیں اچھا

امام بخش ناسخ

ایک ہوجائیں تو بن سکتے ہیں خورشید مبیں
ورنہ ان بکھرے ہوئے تاروں سے کیا بات بنے

ابوالمجاہد زاہد

انہی پتھروں پہ چل کر اگر آسکو تو آؤ
مرے گھر کے راستے میں کوئی کہکشاں نہیں ہے

مصطفیٰ زیدی

ایک مدت سے میری ماں نہیں سوئی تابش
میں نے اک بار کہا تھا مجھے ڈر لگتا ہے

تابش

بڑے لوگوں سے ملنے میں ہمیشہ فاصلہ رکھنا
جہاں دریا سمندر سے ملا دریا نہیں رہتا

بشیر بدر

بارے دنیا میں رہو غم زدہ یا شاد رہو
ایسا کچھ کرکے چلو یاں کہ بہت یاد رہو

میر تقی میر

بھری دنیا میں جی نہیں لگتا
جانے کس چیز کی کمی ہے ابھی

ناصر کاظمی

پرانی روشنی میں اور نئی میں فرق ہے اتنا
اسے کشتی نہیں ملتی اسے ساحل نہیں ملتا

اکبر الہ آبادی

پاؤں زخمی ہیں پھر بھی چلتے ہیں
آندھیوں میں چراغ جلتے ہیں

ریحانہ بیگم ریحانہ

تجربوں کی دولت تو حادثوں سے ملتی ہے
باپ سے وراثت میں تجربہ نہیں ملتا

خالد زاہد

ترکِ وطن کے بعد ہی قدرِ وطن ہوئی
برسوں مری نگاہ میں دیوار و در پھرے

فنا نظامی

تم تکلف کو بھی اخلاص سمجھتے ہو فراز
دوست ہوتا نہیں ہر ہاتھ ملانے والا

احمد فراز

تالاب تو برسات میں ہوجاتے ہیں کم ظرف
باہر کبھی آپے سے سمندر نہیں ہوتا

اعجاز رحمانی

■

ماخذ: منتخب اشعار برائے بیت بازی اور دیگر مقابلہ جات، مرتب: ڈاکٹر فوزیہ چودھری، سنہ اشاعت: 2014، ناشر: آن فائر پبلی کیشنز، بنگلور

آپ کا دماغ کتنا تیز ہے؟

دوستو! یہ دونوں تصویریں دیکھنے میں تو ایک جیسی لگتی ہیں لیکن تصویروں کی نقل بنانے والے سے ایک دو نہیں بلکہ دس غلطیاں ہوگئی ہیں۔ کیا آپ ان غلطیوں کو تلاش کر سکتے ہیں؟ 10 منٹ میں اگر آپ نے تمام غلطیاں تلاش کر لیں تو سمجھ لیں کہ واقعی آپ کا دماغ بہت تیز ہے۔

ثانیہ ناز ضیاء الدین پٹیل

کامیابی کا راز

کتنا مشکل سوال ہے۔ گو کہ کم الفاظ میں اس کا جواب دینا ممکن نہیں ہے کیونکہ ہر موڑ پر کامیابی کی تعریف اور کامیابی کا معیار بدل جاتا ہے۔ لیکن اسے یوں کہہ لیں کہ منزل کے کسی پڑاؤ پر ہم مطمئن ہوں تو اسے کامیابی کہا جاتا ہے۔ آیئے کامیابی کے مختلف پہلوؤں پر روشنی ڈالتے ہیں۔ بچپن سے لے کر آخر تک ہر موڑ پر مشکلات کا سامنا کرتے ہوئے اپنی ہمت بلند رکھنا اور خوشحال رہنا کامیابی ہے۔

ہمیشہ خوش وخرم رہنا بھی کامیابی کی ایک علامت ہے۔ کامیاب لوگ، دانشور، بڑے بڑے افسر، ہنر مند لوگ، تعلیم یافتہ لوگ اور بزرگ کسی کی عزت کریں، کسی کی اچھائیوں پر داد دیں اور بچوں کو ان سے لگاؤ، چاہت، محبت وانسیت اور رغبت ہو وہ انسان بھی کامیاب ہے۔ بڑے بڑے لوگ، تعلیم یافتہ لوگ، بزرگ لوگ ہماری اس وقت عزت کرتے ہیں جب ہمارے اندر کوئی خوبی ہو، جب ہمارے اندر کوئی اچھائی ہو اور ہمارے اندر خوبی اور اچھائی اسی کو نظر آتی ہے جس کے اندر کوئی ہنر ہو۔ کوئی ہمارے ہنر اور خوبیوں کو سراہے یہ کامیابی کا سب سے انمول تحفہ ہے جو ہمیں منزل تک پہنچانے میں بہت مدد کرتا ہے محنت اور ایمانداری سے عزت کمانا، برائیوں سے بچے رہنا، یہ بھی کامیابی ہے اور دھوکہ دینے والے غداری کرنے والے، بے وفائی کرنے والے گمراہ کرنے والے، دوستوں سے بچنا بری صحبت سے بچنا یہ تو طالب علموں اور اچھے لوگوں کے لیے سب سے بڑی کامیابی ہے۔ کیونکہ ایک مشہور قول ہے ”بری صحبت سے تنہائی بہتر ہے۔“ اپنا کوئی سچا دوست ہونا یہ بھی کامیابی ہے۔ سچا دوست وہ ہوتا ہے جو ہمارے اچھے کاموں کو اچھا اور برے کاموں کو برا کہے اور بدترین دوست وہ ہے جو ہماری جھوٹی تعریف کرے۔ سچ تو یہ ہے کہ ہمارے عیوب اور خامیوں سے ہمیں واقف کرانے والا شخص ہمارا دشمن نہیں بلکہ دوست ہوتا ہے، یہ بھی کامیابی کی ضمانت ہے۔ کچھ لوگ بہت خوبصورت ہوتے ہیں ایسے لوگوں کو اپنی خوبصورتی کی قدر کرنی چاہیے۔ اپنی شخصیت میں اس خوبصورتی سے اچھا

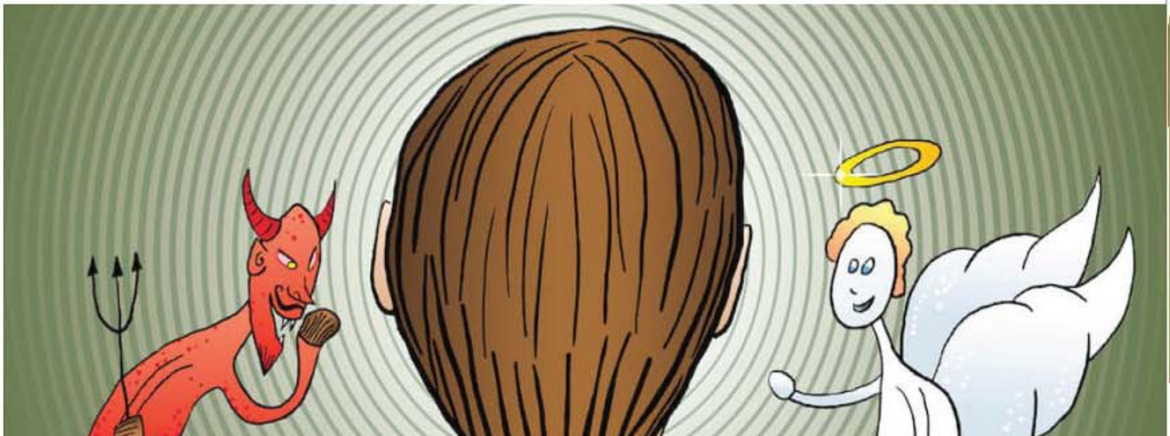

پہلو تلاش کرنا بھی کامیابی ہے۔ جو خوبصورت ہے ضروری نہیں کہ اس کے کردار میں ہر ہنر موجود ہو۔ اللہ تعالی نے دنیا میں ہر انسان میں کوئی نہ کوئی خوبی ضرور دی ہے اور ہر انسان میں کوئی نہ کوئی خامی ضرور ہوتی ہے لیکن اپنی خوبیوں پر گھمنڈ نہیں کرنا چاہیے بلکہ اپنی خامیوں اور برائیوں کو مدنظر رکھتے ہوئے ان کی اصلاح کرنی چاہیے۔ اپنے پاس جو نہیں ہے تو تقدیر کا شکوہ نہیں کرنا چاہیے بلکہ اپنے پاس جو کچھ موجود ہے اس کے لیے اللہ کا شکر ادا کرنا چاہیے۔ اپنی برائیوں کی اصلاح کرنے والا اور ہر حال میں اللہ کا شکر ادا کرنے والا میرے نزدیک سب سے کامیاب انسان ہے۔ جس انسان کے سماجی حالات بہتر ہوں وہ بھی کامیاب ہے۔ ہر انسان کو مواقع ملتے رہتے ہیں لیکن کچھ انسان مشکلات اور پریشانیوں کو دیکھ کر منزل کھو دیتے ہیں۔ لیکن اس کے برعکس کچھ لوگ اپنے وقت اور زندگی کا بہتر استعمال کرکے زندگی کی مشکلات کو، پریشانیوں کو ،رکاوٹوں کو اور پرخار راہوں کو پار کرکے اپنے منزل تک پہنچتے ہیں۔ لیکن اس منزل تک پہنچنے کے لئے انہیں ہزاروں سیڑھیاں چڑھنی پڑتی ہیں۔ ہر سیڑھی پر ایک مشکل، ایک رکاوٹ اور ایک نیا امتحان ہوتا ہے، تب جا کر منزل کا حصول ہوتا ہے۔ یہی ان کے لیے سب سے بڑی کامیابی ہوتی ہے۔ یہ مت سمجھیے کہ آپ کے پاس رتبہ نہیں تو آپ کامیاب نہیں ہیں۔ نہیں ایسا ہرگز نہیں ہے، اگر آپ کے پاس ان علامتوں میں سے ایک بھی علامت موجود ہے تو آپ کامیاب ہیں۔ انسان کے لئے ایک چھوٹی سی علامت بھی کامیابی کے لیے بہت اہمیت رکھتی ہے اور یہی کامیابی ہے

■

Sania Naaz Ziyaur Rahman Patel
Class: X
K M C Urdu School
Hashimpur
Talluqa: Jalgaon: Jamood
Buldana (Maharashtra)

سیدہ جویریہ سید رضوان، درجہ ہشتم، ملیہ گرلس، ہائی اسکول، بیڑ (مہاراشٹر)

انجم پروین شیخ ہارون، درجہ پنجم، سلیمانیہ اردو ہائی اسکول، مانورہ ضلع واشم (مہاراشٹر)

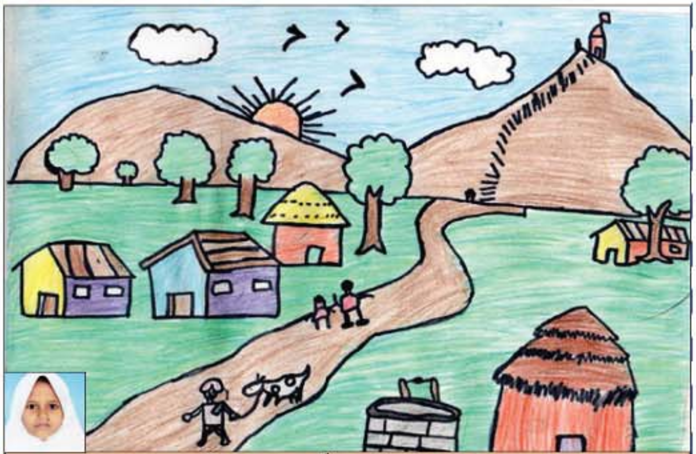

بی بی مریم نعیم اختر پیر محمد کیپٹن، درجہ: پنجم
میونسپل اردو پرائمری اسکول نمبر 38، مالیگاؤں، ضلع ناسک (مہاراشٹر)

نوشابہ جہاں، درجہ ہشتم
آسنسول ہمدرد پبلک اسکول، ہمدرد (ویسٹ بنگال)

مومن صدیقہ مبین احمد، درجہ چہارم
ارم پرائمری اسکول، مالیگاؤں (مہاراشٹر)

منظمہ صدف آصف اقبال، درجہ چہارم
گلشن اطفال سمی انگلش اسکول، دھولیہ (مہاراشٹر)

صالحہ انجم نہال احمد، رہبر باغ، دھولیہ (مہاراشٹر)

ذہبیہ بانو انیس الرحمٰن، ملت نگر، دھولیہ، مہاراشٹر

عظمیٰ ناز محمد ذاکر، باڑیگاؤں، ضلع پریشد اسکول باڑیگاؤں (مہاراشٹر)

کہکشاں تنویر، درجہ ششم اے، دہلی پبلک اسکول، اننت ناگ (جموں کشمیر)

آنسا اقبال، درجہ ہفتم، نالندہ اسکول آف لرننگ، گیا (بہار)

فیصل تنویر، درجہ دوم، دہلی پبلک اسکول، اننگ ناگ (جموں کشمیر)

ایک کلک پر ادب اطفال کا بیش بہا خزانہ

پیارے بچو! آپ کے ذوق کی کتابیں اگر نہیں مل پا رہی ہیں تو مایوس نہ ہوں۔ قومی اردو کونسل کے موبائل ایپ (ekitaab) اور ویب سائٹ (https://www.urducouncil.nic.in/) پر آپ کے لیے بہت سی مفید کتابیں موجود ہیں۔ اسے آپ ڈاؤن لوڈ کر کے پڑھ سکتے ہیں۔

BACHON KI DUNIYA Monthly, August 2020 Vol. 08, Issue: 08
National Council for Promotion of Urdu Language
Department of Higher Education, Ministry of Human Resource Development, Government of India

RNI NO. DELURD/2013/50375
DL(S) - 01/3439/2019-21
ISSN 2350-1286
Date of Publication : 11/07/2020
Date of Dispatch: 12 and 13 of advance Month

سوچھ بھارت
ایک قدم صفائی کی جانب

بچوں کے لیے قومی اردو کونسل کی چند دل چسپ کتابیں

صفحات:112، قیمت:25 روپے

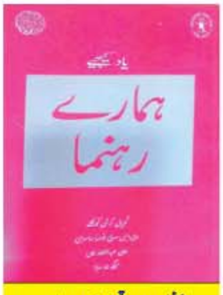

صفحات:106، قیمت:35 روپے

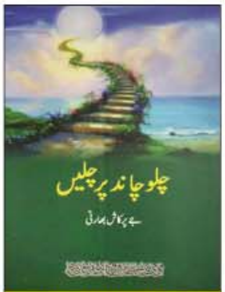

صفحات:48، قیمت:16 روپے

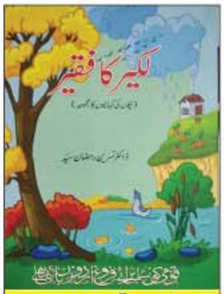

صفحات:82، قیمت:35 روپے

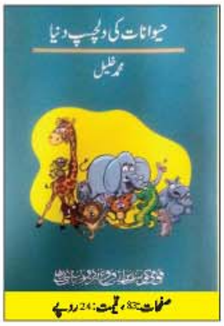

صفحات:83، قیمت:24 روپے

صفحات:61، قیمت:20 روپے

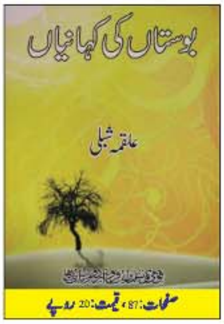

صفحات:87، قیمت:20 روپے

صفحات:61، قیمت:20 روپے

خریداری کے لیے رابطہ کریں:

شعبۂ فروخت: قومی کونسل برائے فروغِ اردو زبان، ویسٹ بلاک 8، وِنگ 7، آر کے پورم، نئی دہلی–110066
فون:011-26109746، فیکس:011-26108159، E-mail.:ncpulsaleunit@gmail.com, sales@ncpul.in

Printed and Published by Dr. Aquil Ahmad, Director NCPUL, on behalf of National Council for Promotion of Urdu Language, and printed at S. Narayan and sons, B-88 Okhla Indl. Area Phase II, New Delhi - 110020
And Published at Farogh-E-Urdu Bhawan, FC-33/9, Institutional Area, Jasola, New Delhi -110025.